بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

جلد نمبر ۶۱

شمارہ نمبر ۱۲

دسمبر ۲۰۱۷ء

سالانہ زر تعاون

برائے ہندوستان	:	۲۰۰/روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک	:	۳۵/امریکی ڈالر
فی شمارہ	:	۲۰/روپے
لائف ٹائم خریداری	:	۸۰۰۰/روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے ..... مدیر ۵
- حدیث کی روشنی میں ..... امۃ اللہ تسنیم ۶
- دینی تعلیم، سبھی کے لئے ..... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ۸
- ہمیں سیدھا راستہ دکھا ..... علامہ سعدی ۱۱
- اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سنہرے واقعات .. عبدالمالک مجاہد ۱۲
- نصیحت بے اثر کیوں؟ ..... ڈاکٹر طاہر مسعود ۱۷
- اس دین کا محافظ اللہ ہے ..... مولانا مفتی محمد خالد نور ۱۹
- بچوں کی تعلیم وتربیت ..... علامہ محمد اقبالؒ ۲۴
- عورت کی حیثیت اور ادھورا معاشرہ ..... عابدہ فرحین ۲۹
- اظہار غم اور اسلامی تعلیمات ..... مولانا محمد غیاث الدین حسامی ۳۴
- میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ ۳۸
- آخری صفحہ ..... مولانا قمر الزماں ندوی ۴۱

اپنی بہنوں سے

مدیر

ساری دنیا میں اس وقت مسلمان ظلم و جور کا نشانہ بنے ہوئے، نہ صرف ان کا خون بہایا جارہا ہے بلکہ ان کی تہذیب وتمدن، مذہبی شعار کو بھی مٹانے کی بھرپور کوشش ہورہی ہے۔ مسلمان ملکوں کی حکومتیں اس معاملہ میں یورپ اور امریکہ کی آلۂ کار بنی ہوئی ہیں۔ اور اسلامی تمدن کو مٹانے اور اسلامی شریعت کو ختم کرنے میں وہ مدعی سست اور گواہ چست کا کردار ادا کررہی ہیں۔ تیونس کے صدر نے مسلمان عورت کو غیر مسلم مرد سے شادی کرنے کی اجازت دے دی اسلامی قانون وراثت کو تبدیل کرنے کا حکم صادر فرمادیا ہے اور کہا ہے کہ اعتدال پسند اسلام کو نافذ کرنا اس کا مقصد ہے اور جو لوگ اس کی مخالفت کررہے ہیں ان کو شدت پسند، کٹر مسلمان ہونے اور ان کے خلاف کارروائی کرنے کی دھمکی دی جارہی ہے۔

اسی طرح بعض عرب ملکوں میں جہاں شریعت کا نفاذ تھا اور اسلامی طرز زندگی کے مطابق لوگ اپنی زندگی گذار رہے تھے وہاں اعتدال پسندی کا نام لے کر الحاد و کفر کا نفاذ کیا جارہا ہے اور اس معاملہ میں امریکہ کے احکام پر پورے زور وشور سے عمل کیا جارہا ہے، عورتوں کو گھروں سے نکال کر سڑکوں پر لایا جارہا ہے ان کو اسلامی زندگی سے ہٹا کر طاغوت کی غلامی میں لایا جارہا ہے اور یہ سب اعتدال پسندی کے نام پر کیا جارہا ہے۔

اس وقت ہم مسلمانوں پر زیادہ ذمہ داری آگئی ہے کہ اپنے دین اپنی اسلامی معاشرت کی حفاظت کے لئے جو ممکن ہوسکے وہ اقدام کریں اور اس آنے والے طاغوتی اور شیطانی نظام کا مقابلہ کریں اور اس کو مسلم معاشرہ میں کبھی بھی نافذ نہ ہونے دیں۔

حدیث کی روشنی میں

نماز پنجگانہ کی فضیلت

امۃ اللہ تسنیم

افضل عمل

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کون سے اعمال افضل ہیں۔ فرمایا وقت پر نماز پڑھنا، میں نے عرض کیا پھر۔ فرمایا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ میں نے عرض کیا پھر۔ فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری۔ مسلم)

اسلام کی بنیاد

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ ۱- گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ ۲- اور نماز قائم کرنا۔ ۳- زکوٰۃ دینا۔ ۴- رمضان کے روزے رکھنا۔ ۵- اور استطاعت ہو تو خانہ کعبہ کا حج کرنا۔ (بخاری۔ مسلم)

جان و مال کی حفاظت کی شرط

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں کہ وہ گواہی دے دیں کہ سوا خدا کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، جب وہ ایسا کریں گے تو ان کی جانیں اور مال محفوظ ہو جائیں گے مگر اسلام کے حق کے ساتھ (یعنی جب اسلام ہی کا کوئی مطالبہ ان کی جان و مال پر ہوگا جب ہی ان کا لینا ہوگا مثلاً حد شرعی قتل وغیرہ) اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یمن کی طرف بھیجنے کا ارادہ فرمایا اور یہ فرمایا کہ اہل کتاب کو تم پہلے اسلام کی دعوت دینا جب وہ اس کی گواہی دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، تو پھر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ اس کو قبول کرلیں تو یہ بتا دینا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ بھی فرض کی ہے کہ امیروں سے لے کر غریبوں کو دی جائے، جب وہ اس کو تسلیم کرلیں تو پھر تم ان کے عمدہ عمدہ مال چھانٹ کر (زکوٰۃ کے لئے) نہ لینا اور مظلوم کی بددعا سے بہت بچنا، مظلوم کی فریاد اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔ (بخاری۔ مسلم)

نماز ہی کفر و شرک سے حجاب ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اور شرک و کفر کے درمیان ترک نماز ہی کا فرق ہے۔ (مسلم)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عہد ہمارے اور ان کے درمیان ہے نماز ہے۔ پس جس نے نماز ترک کی بس وہ کافر ہو گیا۔ (ترمذی)

حضرت شقیق بن عبداللہ تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب (کرام) اعمال میں کسی عمل کا سوا نماز کے ترک کرنا کفر نہ سمجھتے تھے۔ (ترمذی)

قیامت میں پہلا سوال

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بندوں سے سب سے پہلا سوال نماز کے متعلق ہوگا۔ اگر نماز

ٹھیک ہوئی تو وہ کامیاب و بامراد ہوا اور اگر خراب ہوئی تو وہ ناکام ہوا اور سخت نقصان اُٹھایا اور جس کے فرائض میں کچھ کمی ہوگی تو اللہ رب العزت فرمائے گا کہ میرے بندوں کی نفلوں کو دیکھو، پس فرضوں کا نقصان نفلوں سے پورا ہوجائے گا۔ پھر باقی اعمال کا بھی اسی طرح حساب ہوگا۔ (ترمذی)

فرشتوں کی نقل

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا تم ایسی صفیں کیوں نہیں باندھتے ہو جیسے فرشتے اپنے رب کے پاس صفوں کو درست رکھتے ہیں، ہم نے عرض کیا فرشتے اللہ کے پاس صفوں کو کس طرح درست کرتے ہیں، فرمایا پہلے اگلی صفوں کو بھر لیتے ہیں اور خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ (مسلم)

پہلی صف کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگ اذان اور پہلی صف کی فضیلت کو جان لیں اور اس کے حاصل کرنے میں مدافعت ہو تو پھر لوگ قرعہ ڈالنے پر مجبور ہوجائیں۔ (بخاری۔ مسلم)

مردوں کی پہلی اور عورتوں کی پچھلی صف

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کی پہلی صف بہتر ہے اور پچھلی بُری ہے، اور عورتوں کی پہلی صف بُری ہے اور پچھلی بہتر ہے (یعنی ثواب کے اعتبار سے) (مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا کہ پیچھے رہتے ہیں تو فرمایا آگے آؤ اور میری اقتدا کرو، اور تم سے پچھلے تمہاری اقتدا کریں، بعض لوگ ہمیشہ پیچھے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو پیچھے ہی کردے گا۔ (مسلم)

صف برابر کرنے کا اہتمام

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں پر ہاتھ پھیر کر صف کو برابر کرتے تھے اور فرماتے تھے برابر برابر رہو، آگے پیچھے نہ رہو، ورنہ تمہارے دل مختلف ہوجائیں گے، اور تم میں جو سمجھ دار ہوں وہ میرے قریب ہوں، پھر جو اُن سے نزدیک ہوں، پھر جو اُن سے نزدیک ہوں۔ (مسلم)

صفوں کی درستی نماز کی تکمیل ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفوں کو برابر کرو، صفوں کی درستی نماز کی تکمیل ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ صف کا برابر کرنا نماز کا قائم کرنا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز جماعت کی اقامت کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہوکر فرمایا تم اپنی صفوں کو قائم کرو اور ایک دوسرے سے مل جاؤ، میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ (بخاری)

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ہم لوگ اپنے کاندھے اپنے ساتھی کے کاندھی سے اور اپنے قدم اپنے ساتھی کے قدم سے ملا لیتے تھے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، فرماتے تھے اپنی صفوں کو برابر کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ دلوں میں مخالفت ڈال دے گا۔ بخاری۔ مسلم)

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس طرح برابر کرتے تھے گویا پانسے برابر کرتے ہیں، حتیٰ کہ آپ کو معلوم ہوگیا کہ ہم لوگ اب سمجھ گئے ہیں، پھر ایک دن آپ تشریف لائے اور قریب تھا کہ تکبیر کہیں، اتنے میں ایک آدمی کا سینہ صف سے نکلا ہوا دیکھا، فرمایا اللہ کے بندو! صفوں کو خوب برابر کرلیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان پھوٹ ڈال دے گا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

دینی تعلیم سبھی کیلئے

کسی بھی مذاہب اور فکر وعقیدہ کے لئے تعلیم کی حیثیت شہ رگ کی ہے، اگر کسی قوم کو اس کے دین سے محروم کرنا ہو تو اس کے دینی تصورات سے اس قوم کا علمی رشتہ کاٹ دیجئے، یہ چیز خود بخود اس قوم کو اپنے مذہب سے بے گانہ بنادے گی، اس کے لئے پنجہ آزمائی کی ضرورت پڑے گی اور نہ معرکہ آرائی کی، یہ کسی قوم کو فکری اور مذہبی اعتبار سے قتل کرنے کا ایسا کامیاب اور بے ضرر نسخہ ہے کہ بقول شاعر۔

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کے ساتھ یہی طرز عمل اختیار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، انگریز جب ہندوستان میں آئے، تو انہوں نے بھی یہ ناکام کوشش کی، چنانچہ لارڈ میکالے جب فورٹ ولیم کالج قائم کرنے کے بعد برطانیہ واپس گئے، تو انہوں نے برطانوی دارالعلوم میں اپنے اس منصوبہ کو ان الفاظ میں ظاہر کیا: ''میں ہندوستان میں ایک ایسے ادارہ کی بنیاد ڈال کر آیا ہوں کہ اس کی وجہ سے ہندوستان میں رہنے والے رنگ ونسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی رہیں گے، لیکن اپنی فکر اور ذہن و دماغ کے اعتبار سے انگریز بن جائیں گے۔'' چنانچہ اس ملک کے دردمند علماء نے اس حقیقت کو محسوس کرلیا اور انہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دینی مدارس اور مکاتب قائم کرکے اس بات کا انتظام فرمایا کہ اس ملک میں بسنے والے مسلمان گو رنگ ونسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں، لیکن وہ دل ونگاہ کے اعتبار سے ''حجازی'' بنے رہیں اور پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن نبوت ان کے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے۔

جب ملک آزاد ہوا تو مسلمانوں نے اس جذبہ کے ساتھ جنگ آزادی میں شرکت کی کہ وہ اس ملک کے مالکوں میں ہوں گے، اس ملک میں ان کا مذہب، ان کی تہذیب اور ان کی زبان محفوظ رہے گی، لیکن بدقسمتی سے انگریزوں نے اس ملک میں فرقہ پرستی کا بیج بویا اور اس شجر خبیث کو اتنا تناور کردیا کہ آزادی کے بعد بھی اس کی جڑیں پھیلتی رہیں اور آج تو فرقہ پرست طاقتیں بام اقتدار پر پہنچ چکی ہیں، جہاں مسلمانوں کو اس ملک میں معاشی طور پر پسماندہ، سیاسی اعتبار سے مفلوج و بے اثر اور جان ومال کے اعتبار سے غیر محفوظ وغیر مامون کرنے کی کوششیں کی گئیں، وہیں مسلمانوں کی تہذیب پر بھی یلغار کی گئی اور کوشش کی گئی کہ تہذیبی اعتبار سے ان کا ہندوکرن کردیا جائے اور اس بات کی بھی بھرپور کوشش کی جارہی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے مذہب اور عقیدہ سے دور کردیا جائے، تاکہ ایک دونسل کے بعد وہ مذہبی شعور سے پوری طرح محروم ہوجائیں۔

مسلمانوں پر یہ سب سے بڑا حملہ اور ضرب کاری ہے اور اس سے معمولی سا تغافل بھی ان کے ملی وجود اور بقا کے لئے زبردست خطرہ ہے۔ فرقہ پرست طاقتیں اس مقصد کے لئے دوطرفہ حملہ کررہی ہیں، ایک طرف سرکاری درسگاہوں کے نصاب میں ایسی تبدیلیاں لائی جارہی ہیں جو ایک سیکولر ملک کے بجائے خالص ہندو تصورات پر مبنی ملک کی نمائندگی کرتی ہوں، ہندو دیویوں اور دیوتاؤں کے حالات، ہندو فکر و عقیدہ کی وکالت اور ہندو تاریخ کی عظمت اور تفوق کا اظہار، مسلم حکمرانوں کے مفروضہ ظلم وجور کا بیان، یہاں تک کہ بعض اوقات خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات

طیبہ پر حرف گیری اس ''بھگوا نصاب تعلیم'' کی فکری بنیادیں ہیں ''وندے ماترم'' اور ''سرسوتی وندنا'' اقلیتوں کو مشرکانہ تصورات سے مانوس کرنے کی ناپاک کوشش ہے۔

دوسری طرف دینی مدارس کے نظام میں دخیل ہونے اور ان اداروں کو بدنام کرنے کی کوششیں بھی جاری ہیں، بہار میں مدتوں پہلے گورنمنٹ نے دینی مدارس کو نصاب تعلیم میں معمولی ترمیم کی شرط پر اعانت دینے کی پیشکش کی تھی اور اس کے لئے ''بہار مدارس اکزامنیشن بورڈ'' کی بنیاد رکھی تھی، ریاست کے دو مخلص بزرگ علماء جو حالات کی نبض پہ انگلی رکھتے تھے، نے مدارس کو اس سرکاری بورڈ میں شریک ہونے سے روکنے کی بڑی کوششیں کیں، لیکن سرکاری اعانتوں کی پیشکش نے اکثر ارباب مدارس کے قدم ڈگمگا دیئے اور انہوں نے اس کو ایک ''نعمتِ غیر مترقبہ'' سمجھ کر بے تحاشہ الحاق کرانا شروع کیا، گورنمنٹ نے بتدریج ان مدارس کے نصاب اور نظام میں ایسی تبدیلیاں کیں کہ اب ان کو دینی درسگاہ کہنا ایک تہمت سے کم نہیں اور افسوس کہ ان کو ایک معیاری عصری درسگاہ بھی نہیں کہا جاسکتا، اسی قسم کی کوشش مشرقی اتر پردیش میں بھی شروع ہوئی اور کسی قدر تاخیر سے سہی، لیکن اب وہاں بھی اس کا اثر محسوس کیا جارہا ہے۔ جو دینی مدارس حکومت کے زیر اثر نہیں ہیں اور اس کے عمل و دخل سے آزاد ہیں، ان کو بدنام کرنے اور ان کی تصویر مسخ کرنے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے، کبھی اس کو ''آئی، ایس، آئی'' کا مرکز قرار دیا جاتا ہے، کبھی ان مدارس کی طرف دہشت گردی کو منسوب کیا جاتا ہے، کبھی ان کے مالی وسائل کے بارے میں شکوک و شبہات ظاہر کئے جاتے ہیں، تاکہ خاص طور پر غیر مسلم بھائیوں کا ذہن ان اداروں کے بارے میں مسموم ہوجائے۔

ان حالات میں دینی تعلیم کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے، دینی تعلیم حاصل کرنے کے دو درجے ہیں، ایک تو اتنی تعلیم جو ہر شخص کے لئے ضروری ہے، یہ دین کے بارے میں بنیادی واقفیت ہے، توحید اور شرک کی حقیقت، نبوت و وحی کا اسلامی تصور، انبیاء اور بالخصوص پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ضروری حالات، پاکی و ناپاکی، نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ اور قربانی کے بنیادی احکام، نکاح و طلاق، خرید و فروخت، ملازمت اور نوکری، کسب معاش کے حلال و حرام طریقے، شریعت کی حرام کی ہوئی چیزوں وغیرہ سے متعلق ضروری مسائل، صحابہ اور صحابیات کی مبارک زندگیوں سے متعلق بنیادی معلومات، والدین، اولاد، میاں بیوی اور اعزہ و اقرباء سے متعلق حقوق، شب و روز کئے جانے والے افعال کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اور مسنون و ماثور اوراد و اذکار، یہ وہ امور ہیں کہ جن کے بارے میں جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے، مرد ہوں یا عورت اور جوان ہوں یا بوڑھے، اس مقصد کے لئے جگہ جگہ دینی مکاتب اور بالغوں کے لئے دینی تعلیم کے مراکز قائم کرنے کی ضرورت ہے، کوشش کرنی چاہئے کہ کوئی محلہ اور کوئی مسجد ایسے مکاتب اور مراکز سے خالی نہ ہوں، بلکہ بچوں اور بچیوں کے اسکول کے اوقات کے لحاظ سے صباحی اور مسائی دونوں طرح کے مکاتب ہوں اور کوشش کی جائے کہ محلہ کا کوئی بچہ اور دین سے ناواقف کوئی نوجوان ایسا نہ ہو جو اس نظام سے فائدہ نہ اٹھائے۔

لیکن دوسری ضرورت ایسی درسگاہوں کی ہے، جہاں قرآن و حدیث، کلام و عقیدہ اور سیرت نبوی سے متعلق اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہو اور اسلام کو اصل مآخذ سے سمجھنے اور سمجھانے کی غرض سے عربی زبان و ادب میں بصیرت کا سامان فراہم کیا جاتا ہو، بحمداللہ ہندوستان کے چپہ چپہ میں ایسے مدارس موجود ہیں، یہ اسلام کی فکری سرحدوں کے محافظ ہیں، ان ہی درسگاہوں سے نکلنے والے فضلاء نے ہر عہد میں اسلام کے خلاف اُٹھنے والی فکری شورشوں کا مقابلہ کیا ہے۔

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد مسیحی پادریوں اور مبلغوں کا ایک سیلاب سا اُمڈ آیا، دیہات دیہات یہ مبلغین پہنچے، بھولے بھالے مسلمانوں کو

گمراہ کرنے کی کوشش کرتے اور مناظرہ کا چیلنج دیتے، یہ حضرات علماء ہی ہیں جنہوں نے ان سے پنجہ آزمائی کی اور اسی دور میں ایک ہندوستانی عالم مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے عیسائیت کے رد میں ''اظہار الحق'' کے نام سے ایک ایسی کتاب تالیف کی کہ اس موضوع پر کسی زبان میں اس کی نظیر نہیں ملتی اور ہندوستان سے مصر و ترکی تک مشہور عیسائی مناظر پادری فنڈر کا تعاقب کرکے اس کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا، پھر جب آریہ سماجی تحریک اُٹھی اور اس نے شدھی یعنی مسلمانوں کو ہندو بنانے کی کوششیں شروع کیں، تو یہ علماء ہی تھے جو اس کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوئے اور فتنہ کا ایسا علمی اور تبلیغی تعاقب کیا کہ ان کی ناپاک کوششیں ذرا بھی بارآور نہ ہو پائیں۔

اسی طرح جب انگریزوں کی شہ پر پنجاب کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر حملہ کیا اور جھوٹی نبوت کا ڈھونگ رچایا، تو یہی علماء تھے جنہوں نے اُمت کو اس عظیم فتنہ سے بچانے کی سعی کی اور پورے برصغیر میں اپنی مجاہدانہ کوششوں سے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت فرمائی، اسی طرح انکار حدیث کا فتنہ اُٹھا، مستشرقین نے اسلام کے بارے میں تشکیکی کی مہم چلائی، تاکہ مسلمانوں کی نئی نسل کے قلوب میں ان کے مذہب کے تئیں شکوک وشبہات کے کانٹے چبھو دیئے جائیں، ان ہی مدارس کے فضلاء نے ان سازشوں کے مقابلہ کے لئے لوح و قلم کی امانت سنبھالی اور وقت کے اُسلوب میں ان کا رد فرمایا، پھر جب ماضی قریب میں شریعت اسلامی کو فکری اور عقلی حملوں کا نشانہ بنایا گیا اور مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کی کوشش کی گئی، تو پورے ملک میں ان مدارس کے تعلیم یافتہ اور پرداختہ فضلاء نے ایک تحریک کی شکل میں ''مسلم پرسنل لاء'' کے تحفظ کا بیڑہ اُٹھایا اور مسلمانوں میں اس مسئلہ پر شعور پیدا کیا جانا چاہئے، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ علماء کی تعداد ایک فیصد بھی نہیں، بیس کروڑ کی مسلمان آبادی میں اگر ایک فیصد بھی عالم ہو، تو ان کی تعداد بیس لاکھ ہونی چاہئے، لیکن پورے ملک میں علماء کی تعداد شاید دو لاکھ بھی نہ ہو، گویا مسلم آبادی میں ان کا تناسب ایک فی ہزار بھی نہیں۔

علامہ اقبالؒ ان لوگوں میں تھے، جن کو مشرق دیدہ اور مغرب رسیدہ کہا جاسکتا ہے، حکیم احمد شجاع نے اپنی کتاب ''خون بہا'' (۱/۴۳۹) میں اقبالؒ سے اپنی ایک دلچسپ گفتگو نقل کی ہے، جو ان لوگوں کے لئے یقیناً چشم کشا ہے، جو ان دینی مدارس کے نظام کو فرسودہ اور (Out of Date) تصور کرتے ہیں، حکیم صاحب کا بیان ہے کہ لاہور میں آکر میں نے پاک پٹن شریف کے مسلمانوں کی نفسیاتی کیفیت اور اپنے ان احساسات کی روداد ڈاکٹر محمد اقبال کو سنائی، وہ پہلے تو حسب عادت میری بات غور سے سنتے رہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں میرے احساسات سے ہمدردی ہے، پھر آنکھیں بند کرکے سوچنے لگے، جب میں اپنی کہانی سناچکا تو فرمایا: ''جب میں تمہاری طرح جوان تھا تو میرے قلب کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی، میں بھی وہی کچھ سوچتا تھا جو تم چاہتے ہو، انقلاب ایک ایسا انقلاب ہو جو ہندوستان کے مسلمانوں کو مغرب کی مہذب و متمدن قوموں کے دوش بدوش کھڑا کردے'' پھر علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ان مکتبوں اور مدرسوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمان کے بچوں کو انہیں مدرسوں میں پڑھنے دو'' اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ اب جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستان کے مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہوگئے، تو بالکل اسی طرح جس طرح اُندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمراء اور باب الاخوتین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے اثر کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

○○○

علامہ سعدی

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

ہمیں سیدھا راستہ دکھا

اللہ تعالیٰ کے لئے سب تعریفیں ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔ بدلے کے دن کا مالک ہے۔ (یا اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ نہ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب ہوا۔ اور نہ اُن لوگوں کا جو گمراہ ہوئے۔

آمین۔ یا اللہ دعاء قبول فرما۔

یہ ہے قرآن عظیم الشان کی عظیم سورت۔ سورۂ فاتحہ کا ترجمہ۔

ہر مسلمان اس سورت کا ترجمہ، مفہوم اور پیغام دل میں بٹھائے۔ اللہ تعالیٰ اس سورت کی برکت سے ہمارے دلوں کے تالے کھول دے۔ بے شک یہ سورہ فاتحہ ہے۔ کھولنے والی، بندشوں کو توڑنے والی، تالوں اور زنجیروں کو پاش پاش کرنے والی۔

روٹھے ہوئے مسلمانوں کے نام

آج بہت اہم بات عرض کرنی ہے۔ اس لئے آغاز سورہ فاتحہ کے ترجمہ سے کیا ہے تاکہ۔ بات میں وزن اور تاثیر آجائے۔ بات یہ ہے کہ چند دن بعد ''رمضان المبارک'' تشریف لے جائے گا۔ کیا اس کے جاتے ہی مسجدیں دوبارہ خالی خالی ہوجائیں گی؟ حجاموں کی دکانوں پر نبی پاک کی سنت داڑھی منڈوانے والوں کا رش لگ جائے گا؟ وہ مسلمان بہنیں جو گھروں اور اعتکاف میں بیٹھی ہیں بازاروں میں نکل آئیں گی؟ فجر کی نماز میں مسجد کی پچھلی تمام صفیں غم سے روتی رہ جائیں گی؟ الماریوں میں بند موبائل فون اپنی تمام خباثتوں کے ساتھ باہر آجائیں گے؟ پیارے آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت دوبارہ شیطان کو اپنا رہنما بنالے گی؟

اے پیارے مسلمانو! اگر ایسا ہوا تو یہ کتنا دردناک ہوگا؟ کیا ہم صرف رمضان کے مسلمان ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمارا رب نہیں ہے؟ کیا حضرت آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہمارے نبی اور ہمارے رہبر و رہنما نہیں ہیں؟ اے محترم مسلمانو! تھوڑا سا سوچو، تھوڑا سا سوچو کہ رمضان المبارک کے بعد اگر ہم مسجد کو چھوڑ گئے تو یہ ہم اپنا کتنا بڑا نقصان کریں گے۔ یہ مسجدیں زمین پر جنت کے مہمان خانے ہیں۔ انہیں نہ کوئی ہندو آباد کرے گا نہ عیسائی۔ وہ تو ان مساجد کے دشمن ہیں۔ اور ان کے لئے ان مساجد میں کوئی نعمت نہیں ہے۔ مگر ہمارے لئے تو یہ مساجد خیر کا خزانہ ہیں۔ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کا مقام ہیں۔ اچھا ہوا کہ رمضان المبارک میں آپ نے ان مساجد کو آباد کیا۔ فجر کی نماز میں اکثر مساجد بھر جاتی ہیں۔ اب ہمت کریں کہ مسجد کے ساتھ اپنے اس رشتے کو کمزور نہ ہونے دیں۔ تب ثابت ہوگا کہ آپ نے رمضان المبارک سے فائدہ پایا ہے۔ اے مسلمان بہن! تیرا بازار میں کیا کام؟ ہر طرف شیطانی نگاہیں اور غفلت و بے حیائی کے مناظر۔ اچھا ہوا رمضان المبارک میں تو نے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی بننے کی محنت کی۔ پورا دن روزہ رکھا، ڈٹ کر تلاوت کی۔

(بقیہ.....صفحہ.....۱۶.....پر)

عبدالمالک مجاہد

اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سنہرے واقعات

دیکھئے! میں نے سلمٰی کے لئے کیسا رشتہ ڈھونڈا ہے؟

سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب کی شہادت غزوۂ احد میں ہوئی۔ ان کی اہلیہ کا نام سلمٰی بنت عمیس تھا جن کے بطن سے ایک بیٹی عمارہ پیدا ہوئی۔ جب سلمٰی بنت عمیس کی عدت ختم ہوگئی تو ان کا نکاح شداد بن الہاد اللیثی سے ہوا جو مکہ مکرمہ میں رہتے تھے۔ عمارہ ابھی چھوٹی سی تھیں، اس لئے یہ اپنی والدہ کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ منتقل ہوگئیں۔ مکہ مکرمہ سے ہر چند کہ مسلمان ہجرت کرکے مدینہ طیبہ یا حبشہ جاچکے تھے، تاہم مکہ مکرمہ میں کچھ ایسے مسلمان گھرانے موجود تھے جو کسی مجبوری کی وجہ سے ہجرت نہ کرسکے تھے۔ ان میں سیدہ سلمٰی بنت عمیس اور ان کی بیٹی عمارہ بنت حمزہ بھی شامل تھیں۔ سیدہ سلمٰی کی ایک بہن کا نام اسماء تھا جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی سیدنا جعفر طیارؓ کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں۔ یہ قدیم الاسلام تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بہنوں کے بارے میں فرمایا تھا۔ (الاخوات المومنات) یعنی ''مومن بہنیں''۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مؤمنات ہونے کی شہادت دی تھی۔ صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بغیر عمرہ کئے مدینہ طیبہ واپس چلے گئے۔ (المستدرک للحاکم: ۴/۳۳)

ذوالقعدہ 7 ہجری میں آپ عمرہ قضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ عمرہ کے بعد آپ تین دن مکہ مکرمہ ٹھہرے اور جب مدینہ طیبہ واپسی کا ارادہ فرمایا تو سیدنا حمزہؓ کی صاحبزادی عمارہ چچا چچا پکارتے ہوئے آگئیں۔ سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے انہیں گود میں اٹھالیا اور سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ سے فرمایا: اپنے چچا کی بیٹی کو سنبھالو۔ حضرت علیؓ سیدنا زید بن حارثہؓ اور سیدنا جعفر طیارؓ کا آپس میں اختلاف ہوتا ہے۔ تینوں میں سے ہر ایک کا یہ کہنا تھا: عمارہ پر میرا حق ہے، لہٰذا یہ میرے گھر میں رہے گی۔ میں ہی اسے مدینہ طیبہ اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا اور اس کی کفالت کریں گے۔

سیدنا علیؓ کا موقف تھا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ اسماء بنت عمیس میرے نکاح میں ہے، لہٰذا یہ میرے ساتھ جائے گی۔

سیدنا زید بن حارثہ اور سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس میں بھائی بھائی بنادیا تھا، اس لئے ان کا کہنا تھا کہ یہ میری بھتیجی ہے۔ دیکھا جائے تو تینوں کا موقف درست تھا، ہر ایک کی دلیل میں وزن تھا مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کو دیکھئے کہ آپ نے فیصلہ سیدنا جعفر طیار کے حق میں دیا اور فرمایا: ''خالہ ماں کی طرح ہوتی ہے۔'' چونکہ جعفر کی بیوی اسماء، عمارہ کی خالہ ہے، اس لئے اس کی پرورش اور دیکھ بھال کا حق اسماءؓ کو ہے۔

قارئین کرام! یہاں ذرا رک جائیں اور دیکھیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اپنے ساتھیوں کی دلجوئی کی۔ ان کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ ان کی حوصلہ شکنی ہوئی ہے یا انہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ آپ نے سیدنا علی ابن ابی طالبؓ سے فرمایا: ''آپ مجھ

سے ہیں اور میں آپ سے ہوں"۔ سیدنا علیؓ کا نسب، سسرالی رشتہ، سبقت الی الاسلام اور باہمی محبت کے اعتبار سے عظیم مرتبہ واضح ہے۔

سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ کی یوں تعریف فرمائی: "آپ تو سیرت اور صورت میں میرے مشابہ ہیں۔"

سیدنا زید بن حارثہؓ سے فرمایا: تم ہمارے بھائی اور ہمارے دوست ہو۔"

قارئین کرام! آپ نے غور فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کس خوبصورت انداز میں ان تینوں کا مقام اور مرتبہ واضح کیا۔ ظاہر بات ہے کہ سیدہ عمارہؓ کی پرورش کا انتظام تو آپ نے کسی ایک ہی کے سپرد کرنا تھا اس موقع پر حضرت علیؓ نے عرض کی: آپ حمزہ کی بیٹی سے نکاح کر لیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وہ تو میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہے۔"

سیدہ عمارہ کی شادی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رضاعی بھائی ابوسلمہ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے سلمہؓ سے کی۔ آپ اس شادی سے نہایت خوش اور مطمئن تھے۔ آپ خوشی سے ام سلمہؓ سے فرمایا کرتے: "دیکھو! میں نے سلمہ کے لئے کیسا ہم پلہ رشتہ ڈھونڈا ہے۔" (صحیح البخاری، حدیث: 4251، و سنن ابی داؤد: 2280، والبدایۃ والنہایۃ: 4/466، 467، والاصابۃ: 8/184، 185، ومسند احمد: 1/115)

سردار ابوسفیان بھی اسلام قبول کرتے ہیں

وہ دن اسلامی تاریخ کا ایک انتہائی روشن اور اہم ترین دن تھا جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کا رخ کیا۔ اس سفر کے لئے مکمل طور پر رازداری برتی گئی۔ آخر تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ مسلسل سفر کرتے ہوئے "مرالظہران" پہنچے۔ آج کل اس مقام کو "وادیٔ فاطمہ" کہا جاتا ہے۔ یہ مقام مکہ مکرمہ سے صرف بائیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ مسلمان لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ رات کے وقت آپ نے تمام لشکر کو حکم دیا کہ اپنی اپنی جگہ آگ جلائیں۔ صحابہ کرامؓ نے حکم کی تعمیل کی اور آگ کے دس ہزار الاؤ روشن ہو گئے۔

ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مکہ مکرمہ سے نکل کر مرالظہران کے قرب وجوار میں پہنچ گئے۔ اتنی زیادہ آگ دیکھ کر ابوسفیان اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ جگہ جگہ جلتی ہوئی آگ اور اتنا عظیم لشکر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

بدیل کہنے لگا: اللہ کی قسم! یہ قبیلہ خزاعہ کے لوگ لگتے ہیں جنہوں نے آگ جلا رکھی ہے۔ ابوسفیان بولا: نہیں، یہ لشکر بنوخزاعہ کا نہیں ہو سکتا، ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اس قدر جلتی ہوئی آگ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لشکر بہت بڑا ہے۔ خزاعہ میں اتنی طاقت نہیں۔

اسے حسن اتفاق کہہ لیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی یہی تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس بن المطلبؓ بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر بیٹھ کر اپنے کیمپ سے نکل کر اس طرف آ پہنچے جہاں یہ تینوں آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے ابوسفیان کی گفتگو سن کر اسے پہچان لیا۔ سیدنا عباسؓ نے ابوسفیان کو اس کی کنیت سے آواز دی: ابوحنظلہ؟

ابوسفیان نے بھی سیدنا عباسؓ کو پہچان لیا اور کہا: ابوالفضل؟

سیدنا عباسؓ: ابوسفیان! تمہارا برا ہو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہی ہیں۔ اللہ کی قسم! قریش کی تباہی نظر آ رہی ہے۔

ابوسفیان: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اب کیا کیا جا سکتا ہے؟

سیدنا عباسؓ: اگر تم مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے تو وہ تمہیں قتل کر دیں گے۔ تم میرے ساتھ خچر پر بیٹھو، میں تمہیں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلتا ہوں اور ان سے تمہارے لئے امان طلب کرتا ہوں۔

قارئین کرام! اگر ابوسفیان کے جنگی جرائم کے بارے میں لکھا جائے تو پوری کتاب بن جائے مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کو ملاحظہ کیجئے کہ آپ اپنے سب سے بڑے دشمن کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟

ابوسفیان سیدنا عباسؓ کے ساتھ خچر پر سوار ہوکر مسلمان لشکر کے درمیان سے گزرتے ہوئے جارہے ہیں، جب کسی کیمپ سے یا آگ کے الاؤ کے پاس سے گزرتے تو لوگ کہتے: یہ کون ہے؟ مگر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کو دیکھتے اور اس پر سیدنا عباسؓ کو بیٹھے ہوئے دیکھتے تو کہتے: ارے یہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر ہے، اس پر آپ کے چچا عباسؓ سوار ہیں۔ تاہم سیدنا عمر فاروقؓ نے ابوسفیان کو پہچان لیا۔ ان کا سیدنا عباسؓ کے ساتھ شدید مکالمہ بھی ہوا۔ وہ بھاگتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

سیدنا عمر فاروقؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان کے قتل کی اجازت طلب کررہے ہیں۔ ادھر سیدنا عباسؓ کا کہنا ہے: میں نے ابوسفیان کو پناہ دی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''ابوسفیان کو اپنی اقامت گاہ پر لے جاؤ اور اسے کل لے کر آنا۔''

اگلی صبح اسلام کے سب سے بڑے دشمن کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرمارہے ہیں:

''ابوسفیان! تم پر افسوس، کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں؟''

ابوسفیان: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کتنے بردبار، کتنے کریم اور رشتے داروں کا خیال رکھنے والے ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہوتا تو اب تک میرے کام آگیا ہوتا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں:

''ابوسفیان! تم پر افسوس ہو، کیا اب وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

ابوسفیان: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کس قدر حلیم، کس قدر کریم اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں تاہم اس بات کے بارے میں اب بھی میرے دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک ہے۔

سیدنا عباس: ابوسفیان تجھ پر افسوس! اس سے پہلے کہ تیری گردن ماردی جائے اسلام قبول کرلے۔

یہ چند لمحات کی بات ہے کہ ابوسفیان اسلام قبول کرلیتے ہیں۔ کلمہ شہادت پڑھ لیا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بے شمار قصوروں اور جرائم کو معاف کردیا ہے۔

سیدنا عباسؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کرتے ہیں: اللہ کے رسول! ابوسفیان چودھراہٹ پسند آدمی ہیں انہیں کوئی اعزاز دے دیجئے۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو دیکھئے کہ ماضی میں ابوسفیان کی اسلام اور آپ کے ساتھ ہزار دشمنی کے باوجود سیدنا عباسؓ کی سفارش قبول فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: ''ٹھیک ہے جو شخص ابوسفیان کے ڈیرے میں داخل ہوجائے اسے امان ہے۔''

اس طرح نہ صرف ابوسفیانؓ کا اسلام قبول ہوتا ہے بلکہ اسے معافی کے ساتھ ساتھ اعزاز بھی مل جاتا ہے۔ اگر ہم دنیا کے بادشاہوں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو فاتح اقوام اپنے دشمنوں کو چن چن کر قتل کرتی ہیں۔ وہ ان کا نام ونشان مٹادیتی ہیں۔ وہ تو ان کے سروں کے مینار بناتے ہیں مگر یہاں تو رحمت ہی رحمت ہے، معافی ہے اور دشمنوں کو بھی گلے لگایا جارہا ہے۔ دنیا میں اور بھی کوئی ایسا قائد ہو تو سامنے لایا جائے۔

(الہدایۃ النہایۃ: 4/538، 542،

والسیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 4/ 43، 47، وسیر أعلام النبلاء: 2/ 105، 107، والاستیعاب: 807)

بیت اللہ کی کنجی اصل حقدار کو مل گئی

بیت اللہ کی چابی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد سردار قصی نے اپنے بیٹے عبدالدار کے حوالے کی تھی، چنانچہ بنوعبدالدار ہی کنجی بردار چلے آرہے تھے۔ وہ جسے چاہتے کعبہ کے اندر جانے کی اجازت دیتے، جسے چاہتے انکار کردیتے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے قیام مکہ مکرمہ کے زمانے میں کلید بردار بنوعبدالدار ہی کے ایک فرد عثمان بن طلحہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے ہیں: ''عثمان! ذرا مجھے بیت اللہ کی چابی دینا میں بیت اللہ کے اندر جانا چاہتا ہوں۔'' عثمان نے چابی دینے سے انکار کردیا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان سے فرمایا تھا:

''سنو عثمان! ایک روز یہ چابی میرے پاس ہوگی، تب میں جس کو چاہوں گا یہ چابی عطا کروں گا۔''

قارئین کرام! جس دور کی ہم بات کررہے ہیں اس وقت مکہ مکرمہ میں قریش اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید دشمن تھے۔ عثمان بن طلحہ اور اس کا گھرانہ بنوعبدالدار اسلام کے شدید دشمنوں میں سے تھے۔ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ ایک دن مکہ مکرمہ فتح ہوجائے گا، اس لئے عثمان نے اس روز بڑی غلیظ زبان استعمال کی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بردباری سے کام لیا۔ عثمان کا کہنا تھا:

''اس کا مطلب ہے کہ قریش اس دن تباہ وبرباد اور ذلیل ورسوا ہوچکے ہوں گے۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب دیا تھا: ''ایسا نہیں ہوگا اے عثمان! بلکہ اس وقت تو قریش کی زبردست عزت وتکریم اور آبادکاری ہوگی۔''

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ آٹھ ہجری کا سال جلد ہی آجاتا ہے اور مکہ مکرمہ فتح ہوجاتا ہے۔ یہی وہ دن ہے جس کی پیش گوئی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دس سال پہلے کی تھی۔ فتح مکہ مکرمہ سے پہلے عثمان بن طلحہ نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سیدھے بیت اللہ شریف میں گئے۔ اس کا طواف کیا اور عثمانؓ سے فرمایا: ''عثمان! جاؤ چابی لاکر مجھے دو۔''

چابی عثمانؓ کی والدہ کے پاس تھی۔ جب عثمان نے چابی مانگی تو والدہ نے لیت ولعل سے کام لیا مگر بیٹے نے اپنی ماں سے بڑے حسن تدبر سے چابی حاصل کرکے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردی۔

بیت اللہ کا کلید بردار ہونا غیر معمولی عزت کی بات ہے۔ اس وقت خیال کیا جارہا تھا کہ اللہ کے رسول ممکن ہے کہ چابی کسی اور کو عطا کردیں۔ بنوعبدالدار کے جرائم بہت زیادہ تھے۔ اس روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہتے یہ اعزاز بخش دیتے اور چابی اسے مل جاتی۔ سیدنا عباسؓ نے اس چابی کو حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار بھی کردیا۔

ادھر سیدنا علیؓ بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کررہے ہیں کہ ہمیں حجاج کو پانی پلانے کے اعزاز کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا اعزاز بھی دے دیجئے۔ سیدنا علیؓ کی جو عزت و لحاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا وہ کسی سے مخفی نہیں مگر یہ موقع حق داروں کو ان کا حق دینے کے لئے بہت مناسب تھا۔

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا۔

''اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کو پہنچاؤ۔'' (النساء: 58)

قارئین کرام! ادھر یہ آیات نازل ہورہی ہیں، اُدھر کائنات کے سب سے اعلیٰ

اخلاق والے سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز فضا میں گونجتی ہے: ''عثمان بن ابی طلحہ کہاں ہیں؟'' عثمان بن طلحہ حاضر ہوتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کعبۃ اللہ کی چابی ہے۔ لوگ آپ کے مبارک ہاتھوں کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ یہ اعزاز کسے ملتا ہے، کسے چابی دی جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عثمان! اپنی چابی سنبھال لو۔''

''آج نیکی اور ایفائے عہد کا دن ہے۔ یہ چابی تم لوگ ہمیشہ کے لئے لے لو۔ کوئی ظالم ہی اسے تمہارے خاندان سے چھیننے کی جرأت کرے گا۔'' (المغازی للواقدی: 561، 564۔ والسیرۃ النبویۃ لابن ہشام 4/54، 55، والسیرۃ النبویۃ للصلابی: 2/528، والاستیعاب: 503، 504)

قارئین کرام! اس بات کو چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ بیت اللہ کی چابی آج بھی اسی خاندان کے پاس ہے۔ حکومتیں آئیں اور چلی گئیں۔ آج تک کسی کو اس خاندان سے یہ اعزاز چھیننے کی جرأت نہیں ہوئی۔ آج بھی عثمان بن طلحہؓ کی اولاد میں (شعیبی) خاندان کے پاس یہ اعزاز موجود ہے اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعلیٰ اخلاق کو تاریخ کی پیشانی پر ثبت کر دیا۔

○○○

بقیہ ..... اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

اور کتنے روزے داروں کو تو نے کھانا بنا بنا کر کھلایا۔ مگر یہ کیا؟ رمضان جاتے ہی تو بازار چلی گئی۔ بغیر محرم کے اکیلے جانا تو بہت برا۔ خالص لعنت والا کام۔ اور محرم کے ساتھ بھی بلاضرورت جانا تیری شان کے خلاف۔ تو تو اللہ والی ہے۔ تیرے حیا اور تیرے ایمان سے دنیا میں اسلام کو قوت ملتی ہے۔ کیونکہ تیرا حیا اور تیری تربیت ہی اسلام کے لشکر اُٹھاتی ہے۔ اے مسلمان بہن، اے مسلمان بیٹی! رمضان کے آخری ایام ہیں۔ کچھ غور کر لے، کچھ سوچ لے۔ اور سورۃ فاتحہ پڑھ پڑھ کر، آنسو بہا بہا کر اللہ تعالیٰ سے پکی اور مستقل ہدایت مانگ لے۔ **اھدنا الصراط المستقیم، اھدنا الصراط المستقیم۔** رمضان المبارک کے بعد۔ دین سے روٹھ جانے والے مسلمانو! رمضان کے آخری ایام میں عہد کر لو کہ انشاء اللہ بالکل نہیں روٹھیں گے۔ جیسے رمضان المبارک میں تھے رمضان المبارک کے بعد اس سے بھی زیادہ اچھا بننے کی کوشش کریں گے۔ آج سے روزانہ دو رکعت نماز اور کم از کم سات بار سورۃ فاتحہ پڑھ کر دعاء کیا کریں کہ۔ یا اللہ پکی ہدایت نصیب فرما۔ دائمی ایمان نصیب فرما۔ ہمیشہ کا نور نصیب فرما۔ **اھدنا الصراط المستقیم، اھدنا الصراط المستقیم۔**

ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کا لازمی حکم ہے کہ۔ ہم ہمیشہ دین پر قائم رہیں۔ ہمیشہ ہدایت والے راستے پر چلیں۔ ہمیشہ فرائض ادا کریں، ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈیں۔ ہمیشہ گناہوں سے بچیں۔ یہ حکم رمضان المبارک کے لئے نہیں۔ بلکہ پوری زندگی کے لئے ہے۔ ماحول کی وجہ سے ہم صراط مستقیم سے کچھ دور ہونے لگتے ہیں تو۔ اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح اور حفاظت کے لئے سال میں ایک بار رمضان المبارک بھیج دیتے ہیں۔ رمضان آتا ہے اور ہماری میل کچیل، غفلت اور گمراہی کو جلا پھینکتا ہے، دھو ڈالتا ہے۔ تاکہ اب ہم دوبارہ بالکل سیدھے سیدھے صراط مستقیم پر چل پڑیں۔

رمضان المبارک کا یہ مقصد نہیں ہے کہ۔ ہم پورا سال جان بوجھ کر غفلت اور برائیوں میں گذاریں اور جب رمضان آجائے تو ایک مہینے کے لئے۔ ''رمضانی مسلمان'' بن جائیں۔ اور جب رمضان المبارک چلا جائے تو ہماری دینداری بھی اس کے ساتھ چلی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو صرف ''رمضانی'' نہیں ''ربانی'' مسلمان بنائے۔ پورا سال مسلمان، دن رات مسلمان، خلوت وجلوت میں مسلمان، خوشی وغم میں مسلمان۔ مرتے دم تک ہر لحہ مسلمان۔ اور پھر قبر میں مسلمان۔

○○○

ڈاکٹر طاہر مسعود

نصیحت بے اثر کیوں؟

عہد حاضر میں جدید تہذیب اور جدید طرزِ زندگی نے آج عموماً ہمارے اصلاح پسند لوگوں میں جو خرابیاں پیدا کردی ہیں، ان میں تین بیماریاں سب سے مہلک ہیں جو خود دینی روح کی نفی کرتی ہیں۔ ان میں ایک تو خودرائی اور انانیت، دوسرے مصلحت پسندی، اور تیسرے دوسروں سے بیگانگی و بے حسی ہے۔

یہ عوارض انسانی معاشرت کے لیے ضرر رساں ہیں۔ انہی رویّوں سے معاشرے کا امن وسکون درہم برہم ہی نہیں ہوتا، بلکہ کشمکش اور تصادم کی ایسی فضا ہموار ہوتی ہے، جس میں ہر فرد اپنی ذات اور اپنے مفادات کا اسیر ہوجاتا ہے، اور وہ اعلیٰ اقدار و روایات جن سے کسی معاشرے کا حسن قائم ہوتا ہے۔ بتدریج مٹ جاتی ہیں۔ اگر یہ خامیاں نہ ہوں تو باہمی میل جول اور تعلقات میں محبت، رواداری اور برداشت وتحمل کی اعلیٰ صفات اور خوبیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پرانی معاشرت میں وضع داری، انسانی تعلق کا پاس ولحاظ، ایثار ومحبت اور رواداری کی خوبیوں کا توازن مثبت پلڑے میں تھا، جن کی وجہ سے اُس زمانے میں نفسانفسی اور آپی دھاپی کی ویسی فضا نہ تھی جس کا تماشا ہم آج کی نئی معاشرت میں آئے دن دیکھتے رہتے ہیں۔

جن عوارض کا ذکر کیا گیا، ان کے اسباب کو سمجھنے کے لئے ہمیں اس صورت حال کا بھی ادراک کرنا ہوگا، جو آج کے انسان کا جبر ہے۔ نئی معاشرت اور نئی جدید تہذیب، یہ سب سائنس وٹکنالوجی کے فراہم کردہ وسائل وتعیّشاتِ زندگی سے عبارت ہے۔ یہ تہذیب بنیادی طور پر مشینوں پر انحصار کرنے کی وجہ سے ایک مشینی اور میکانکی تہذیب ہے، جو خود اپنی اقدار پیدا کرتی ہے۔ اقبال نے اسی لئے مشینوں کی حکومت کو 'دل' کی موت سے تعبیر کیا تھا۔

مشینیں احساسات و جذبات سے عاری ہوتی ہیں۔ جدید تہذیبی زندگی کا انحصار جیسے جیسے مشینوں پر بڑھتا جاتا ہے اور انسان ان مشینوں سے حاصل ہونے والی سہولتوں اور آسائشات سے زیادہ سے زیادہ بہرہ ور ہونے کے لئے ان کو اپنی ذات اور خاندان کے لئے ناگزیر تصور کرنے لگتا ہے، وہ مجبور ہوجاتا ہے کہ ان کے حصول کے لئے اپنی دولت اور آمدنی میں اضافے کے لئے خود مشین بن جائے۔ آج کار، ایئر کنڈیشنڈ، واشنگ مشین، فریج، مائیکرو ویو اوون، ٹیلی ویژن، کمپیوٹر، اور اس نوع کی دوسری مشینیں جو زندگی میں آسانیاں پیدا کرتی ہیں، بنیادی اور ضرورت بن چکی ہیں۔ ان کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور محال ہوتا جارہا ہے۔

ان وسائل کی موجودگی سے جہاں سہولتیں اور آسانیاں حاصل ہوتی ہیں، وہیں ان کے حصول کے لئے آدمی کو کسب معاش کی تدابیر کرنی پڑتی ہیں کہ معاشرے میں انہیں سے اس کا سماجی مرتبہ اور ''اسٹیٹس'' متعین ہوتا ہے۔ جب جدید شہری معاشرہ دولت اور اسٹیٹس کی دوڑ میں شریک ہوجاتا ہے تو اس میں کامیابی کے لئے اسے اعلیٰ اقدار وروایات جو دوسروں کے لئے خیر خواہی، ایثار، قربانی، محبت و مروت، تحمل و برداشت وغیرہ سے عبارت ہوتی ہیں، بدقسمتی سے انہیں خیر باد کہنا پڑتا ہے۔ چونکہ اس ساری مسابقت ومقابلے کا محور ومرکز اپنی ذات اور اپنا گھرانا اور اس کے مفادات ہوتے ہیں، اس لئے مقابلے میں جیتنے کی شرط ہی خودغرضی، مفاد پرستی، بے حسی وبے گانگی وغیرہ ہوتی ہے۔

چنانچہ ہمیں جو اقدار وروایات آج بھی چھوٹے شہروں اور قصبات میں نظر آتی ہیں، ان کے مظاہر بڑے شہروں کی مصروف ومشینی زندگی میں ناپید دکھائی دیتے ہیں۔ گویا جن عوارض کو آج کے انسانوں میں ہم نے ''مہلک بیماری'' سے تعبیر کیا، وہ آج کی شہری زندگی کی مجبوری بھی ہے اور مقدر بھی۔

چھوٹے شہروں اور قصبات و دیہات میں آج بھی لوگوں کے پاس وقت کی فراوانی ہے، اور مہر و محبت اور خلوص کے جذبات ہیں جن کا اظہار مہمان نوازی اور تواضع کی صورت میں وہاں کیا جاتا ہے۔ ایسی مہمان نوازی، دلداری اور تواضع کی توقع آج کے شہری آدمی سے نہیں کی جاسکتی۔ گویا انسان اپنے ماحول کا اسیر ہوتا ہے اور یہ ماحول کا جبر ہوتا ہے جس میں انسان اپنی خوبیوں یا خامیوں کی نشوونما کرتا ہے۔

لہٰذا، شہری زندگی اور مسائل میں گھرے ہوئے آدمی کی جانچ پرکھ کے لئے ان عوامل کو نظر میں رکھا جانا چاہئے۔ آج کا ایک عام شہری جو روزگار کی مجبوری میں صبح گھر سے نکلتا ہے، طویل فاصلے کو طے کرکے، ٹریفک کے ہجوم اور بدنظمی سے ذہنی کوفت و اذیت کو جھیلتے ہوئے دفتر یا کاروبار کے لئے پہنچتا اور پھر شام تک سر کھپا کر واپس ایسی ہی اذیتوں کو سہتے ہوئے گھر لوٹتا ہے، جہاں پہلے سے الجھنیں اور پریشانیاں اسے گھیرنے کے لئے تیار بیٹھی ہوتی ہیں۔ ایسے پریشاں حال آدمی سے اعلیٰ اخلاقی صفات کی اُمید رکھنا بجائے خود کم فہمی ہے۔

اس لئے آج کے شہری انسان کو نصیحتوں اور مشوروں کی نہیں، مدد کی ضرورت ہے۔ پہلے اسے ان بکھیڑوں اور الجھنوں سے نجات دلانے کی ضرورت ہے، جن میں اُلجھ کر وہ دانستہ یا نادانستہ اپنی اخلاقی صفات کھو بیٹھا ہے یا ان کی نشوونما کرنے اور انہیں اُبھارنے کی طرف سے غافل ہے۔ آج کا شہری انسان ''مظلوم'' ہے۔ اسے ''ظلم'' کے شکنجے سے نکالے بغیر اس سے اچھا انسان بننے کی توقع ایسی ہی ہے، جیسے ایک کمزور و بیمار انسان کو بستر پر پڑا دیکھ کر اسے کاہلی اور بے عملی کا طعنہ دیا جائے۔ جب وجود کی بقا ایک سوال بن جائے تو انانیت اور خودرائی کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔ جب آسائشات اور ضروریات ہی زندگی کی مجبوری یا اولین ترجیح بن جائیں تو مصلحت و مفاد پرستی پر اعتراض کو وزن دینے کے لئے کوئی آمادہ نظر نہیں آتا۔ جب تہذیب و معاشرت میں ترقی کے لئے یکساں مواقع، عدل و انصاف اور سیاسی و معاشی نظام میں انسانی ہمدردی، خیرخواہی اور مساوات کے اصول و ضابطے ناپید ہوجائیں، تو افراد اور معاشرے میں بے حسی اور بے گانگی کا پیدا ہوجانا کوئی تعجب خیز امر نہیں رہتا۔

جب کسی معاشرے میں ماحول اور مسائل کے جبر کے تحت انسان زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوجائے تو اس کی شخصیت دولخت ہوجاتی ہے۔ وہ اعتقادات کی سطح پر ایک الگ زندگی اور معاملات کی سطح پر ایک بالکل مختلف و متضاد طرزِ عمل اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج معاشرے میں عقیدہ و عمل میں تضاد پیدا ہوگیا ہے۔ ہم جو عقیدہ اور اخلاقی تصورات اپنے ذہن میں رکھتے ہیں، ان عقائد اور اخلاقی تصورات کی روشنی میں معاملات کرنا چاہیں بھی تو نہیں کرپاتے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ جو لوگ درس قرآن، درس حدیث اور وعظ و تلقین کی مجلسوں میں اچھے اور نیک خیالات سن کر اپنے اندر سے اپنے ذہن، ضمیر اور دل سے ان سچائیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ مدرس کے حکیمانہ نکتوں پر، واہ واہ، سبحان اللہ، کے ڈونگرے بھی برساتے ہیں، لیکن ان پاکیزہ جذبات سے سرشار مجلسوں سے نکل کر بھی اکثر ویسے کے ویسے ہی رہتے ہیں، اور چند استثنائی مثالوں کے سوا ان کے عملی معاملات میں کوئی واضح اور قابل ذکر تبدیلی جڑ نہیں پکڑتی۔ اس حقیقت کو سمجھنے سمجھے بغیر یہ بات قابل فہم نہیں ہوسکتی کہ اگر محض وعظ و تلقین سے انسان بدلے جاسکتے تو آج سارے انسان نیکوکار ہوتے۔ یہ بات کہنے کا مقصد وعظ، تلقین اور تبلیغ کی افادیت اور اہمیت کا انکار نہیں، بلکہ ان کے ساتھ دیگر پہلوؤں کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان اندر سے بھی بدلتا ہے اور باہر سے بھی۔ اگر معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام ابتر و مایوس کن ہو تو ایسے نظام کے زیر اثر دکھ، اذیت اور ظلم سہتے انسان کو محض اچھی توقعات کے بل پر اچھا نہیں بنایا جاسکتا۔ ایسے انسان کو مشورے سے زیادہ، مدد کی ضرورت ہے۔ مدد کے بغیر مشورہ دینا اور نصیحت کرنا کم فہمی کے ساتھ خود ناصح کی بے حسی ہے کہ جن مریضوں کو وہ ناصحانہ دوائیں تجویز کررہا ہے، ان کے مرض کے اصل اسباب سے ہی بے خبر ہے یا انہیں جاننے میں وہ غلطی کا مرتکب ہورہا ہے۔

○○○

مولانا مفتی محمد خالد نور

اس دین کا محافظ اللہ ہے

قرآن کریم میں ارشاد ہے..... اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (سورہ حجر، آیت:۹)

اس کا جو ظاہری مفہوم ہے وہ تو یہی ہے کہ عبارۃ النص، سیاق کلام..... وہ تو یہی ہے کہ "ذکر" کو ہم نے ہی اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ اس میں اشارہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ تم جسے مجنون اور دیوانہ کہہ رہے ہو، یہ بتاؤ کہ آدم علیہ السلام سے لے کر..... از آدم تا ایں دم کبھی کسی مجنون اور دیوانے کی باتوں کو محفوظ کیا گیا ہے؟

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مجنون کی باتوں کو محفوظ کرنے کا باقاعدہ اہتمام کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجنون ہوتے تو آپ کی باتوں کو محفوظ نہ رکھا جاتا۔ یہ ہمارا اتارا ہوا کلام ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ اس کلام پاک اور اس دین کی حفاظت..... یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجنون نہیں ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم اور ذکر کی حفاظت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانہ نہ ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا اور قیامت تک اللہ نے اس وعدے کو پورا کرنا ہے..... اور اللہ رب العزت نے اس وعدے کو پورا کیا ہے، یہاں تو اجمال ہے، دوسری جگہ اس کی تفصیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی زبان کی بھی حفاظت فرمائی

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ، فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۔ (سورہ القیامہ، آیت:۱۶-۱۸)

اللہ رب العزت نے اس کلام پاک کو محفوظ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کے الفاظ کو بھی محفوظ فرمایا۔ اس کا جو رسم الخط ہے اس کی بھی حفاظت کی اس میں بھی ردوبدل جائز نہیں ہے۔ وہ زبان جس زبان میں کلام اُترا ہے، اس زبان کی بھی اللہ نے حفاظت کی ہے، علماء لسانیات دنیا کی زبانوں کو مختلف خانوں اور خاندانوں میں تقسیم کرتے ہیں، عربی زبان کے بارے میں کہتے ہیں کہ سامی خاندان سے تعلق رکھتی ہے، علماء لسانیات کا کہنا ہے کہ ہر زبان تبدیلی کے عمل میں گزرتی ہے، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ زبان نئی شکل اختیار کرلیتی ہے اردو دو تین سو سال قبل جس شکل میں بولی جاتی تھی آج بولی جائے تو ہمیں سمجھ میں نہیں آئے گی۔ عربی زبان اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے، جو قدیم ترین عربی تحریریں ملتی ہیں، پندرہ سو یا سولہ سو سال پہلے، آج بھی اس عربی تحریر کا سمجھنا ہمارے لئے آسان ہے، اسی شکل میں محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زبان میں چونکہ اپنا کلام اتارنا تھا، اللہ نے اس زبان کی حفاظت کی، ورنہ یہ زبان ہزار سال بعد تبدیل ہوجاتی تو اللہ کا کلام سمجھنا مشکل ہوجاتا۔

دوسری بات کہ ایسے علاقے والے جن کا دوسروں سے واسطہ نہیں ہوتا ایسے لوگوں کی زبانیں محدود ہوتی ہیں۔ ذخیرۂ الفاظ محدود ہوتا ہے۔ جس زبان کا ذخیرۂ الفاظ محدود ہو اس زبان میں آپ دقیق اور اونچے قسم کے مضامین بیان نہیں کرسکتے۔ دقیق اور اونچے مضامین بیان کرنے کے لئے زبان میں وسعت چاہئے، وسعت جب آتی ہے جب اس زبان کے بولنے والے دوسری اقوام سے اختلاط کریں۔ اب یہاں ان کا میل جول اتنا نہیں تھا، مگر جو عجیب بات دیکھنے میں آتی ہے کہ اس زبان میں جتنی وسعت ہے دیگر زبانوں میں نہیں۔ اظہار خیال کے لئے جتنی

وسعت عربی زبان میں ملتی ہے کسی دوسری زبان میں نہیں ملتی۔ انسان کے احساسات، جذبات، خیالات..... ہر ہر خیال کو ادا کرنے کے لئے ایک الگ لفظ ملتا ہے۔ یہ زبان کی وسعت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کو وسعت عطا فرمائی

اللہ پاک کو چونکہ عربی زبان میں اعلیٰ مضامین بیان کرنے تھے اس لئے زبان کو محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ اسے اتنی وسعت بھی دی..... آپ علماء حضرات جانتے ہیں کہ یہ جو مترادفات ہیں، مثلاً شیر کے پانچ سو نام ہیں، فلاں کے اتنے نام، فلاں کے اتنے نام، عربی زبان میں ایک ایک چیز کے لئے سیکڑوں نام ملتے ہیں، مثلاً اونٹ کے متعلق..... اب عربوں کا تو اونٹ سے بہت گہرا تعلق تھا، کسی محقق نے تحقیق کر کے بتایا کہ صرف اونٹ سے متعلق پانچ ہزار سے زائد الفاظ ہیں، اونٹ کی ہر چیز اور ہر حالت سے متعلق الفاظ ملتے ہیں۔ چنانچہ ابن سیدہ جو مشہور لغوی گزرے ہیں، ان کی مشہور کتاب المخصص ہے اور بڑی تقطیع پر چھپی ہوئی ہے، اس میں ایک سو ستر صفحات صرف اونٹ سے متعلق ہیں۔ اس سے آپ عربی زبان کی وسعت کا اندازہ لگائیے۔

یہ عجیب بات دیکھنے میں آتی ہے کہ ایک طرف تو عربی زبان بولنے والے دنیا سے کٹے ہوئے ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ زبان محدود ہو اور اس زبان میں آپ اونچے اور دقیق مضامین بیان نہ کر سکیں، دوسری طرف زبان کی وسعت دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ پاک نے اس زبان کی بھی حفاظت کی۔ اس ہستی کے حالات کو جس پر یہ کلام اُترا، اس کے حالات کو بھی محفوظ کر دیا اور اس کلام کے جو اولین مخاطب تھے ان کے حالات بھی اللہ پاک نے محفوظ کر دیے۔ وہ دور محفوظ کر دیا، اس دور کی تفصیلات اللہ تعالیٰ نے محفوظ کر دیں، یعنی جس نے بھی اللہ کے کلام سے اپنی نسبت جوڑی وہ اس کے حفاظتی حصار میں آ گیا۔ یہ اللہ کا ایک نہ دکھائی دینے والا حصار ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اللہ کی حفاظت میں آ جائے تو وہ اللہ کے اس کلام کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لے۔ اس لئے کہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ کہ ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ چونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اور "ان اللّٰہ لا یخلف المیعاد" اللہ اپنا وعدہ خلاف نہیں کرتے۔ اس لئے یہ کلام محفوظ۔ تو اس کلام سے نسبت رکھنے والی ہر چیز محفوظ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کسی ریاست و حکومت کے سپرد نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کا کام کس طرح لے رہا ہے؟ یعنی اللہ نے اس کو لوگوں پر بھی نہیں چھوڑا، نہ کوئی ریاست ہے، نہ ملک ہے، نہ کوئی بادشاہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت خود کر رہے ہیں۔

حافظ شمس الدین ذہبی کا قصہ

حافظ شمس الدین ذہبی کا ایک جملہ یاد آ گیا۔ حافظ ذہبی بڑے مورخ، محدث، نقاد اور اسماء الرجال کے بہت بڑے ماہر تھے۔ معجم الشیوخ میں انہوں نے اپنے اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے۔ شیخ علاء الدین رحمۃ اللہ، ان کے اساتذہ میں بہت بڑے محدث گزرے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کا ایک جملہ تھا، جس کی وجہ سے علم حدیث کے ساتھ خصوصی اشتغال رہا۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے میری ایک تحریر دیکھی، دیکھ کر فرمانے لگے: خطک یشبہ خط المحدثین..... کہ آپ کی تحریر محدثین کے خط سے ملتی جلتی ہے۔ یہ سن کر میرے اندر شوق پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی زندگی اس کام کے لئے وقف کر دی اور پھر دیکھئے کتنے بڑے محدث اور نقاد بنے اور اس ایک جملے نے ہمیں کتنا بڑا مورخ دیا۔

محدث اندلس بقی بن مخلد کا قصہ

بقی بن مخلد رحمۃ اللہ اندلس کے رہنے والے تھے۔ ان کا واقعہ حافظ شمس الدین

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ طلب علم کے لئے ان کا عجیب واقعہ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ پاک کچھ لوگوں کو منتخب کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دین کی حفاظت کے لئے انتخاب بھی براہ راست اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور جب انتخاب ہوجائے تو اس سے زیادہ خوش نصیبی کیا ہوسکتی ہے۔

قبی بن مخلد رحمہ اللہ اندلس کے رہنے والے تھے۔ اُس وقت یہ خطہ عالم اسلام کا آخری کنارا تھا۔ وہاں سے انہوں نے علم حدیث کے لئے سفر شروع کیا۔ ان کے شاگردوں نے لکھا ہے۔ **کان جلداً طولاً**، طویل القامت تھے اور مضبوط جسم کے تھے۔ **لم یر راکباً قط**..... کہ زندگی میں کبھی سوار نہیں دیکھے گئے۔ مسلسل پیدل چلتے رہتے تھے۔ وہاں (اندلس) سے پیدل چلے تھے، ہزاروں کلومیٹر سفر، بیچ میں صحرا بھی ہیں، وادیاں بھی ہیں، فلک بوس پہاڑ بھی ہیں اور آج کل کی طرح تو تھا نہیں کہ پہلے موبائل فون کے ذریعے معلوم کرلیا کہ فلاں استاد ہیں یا نہیں؟..... یہ ارادہ لے کر چلے تھے کہ امام احمد بن حنبل سے تحصیل علم کرنا ہے..... یہ کہتے ہیں کہ جب میں بغداد پہنچا تو معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل نظر بند ہیں اور ان کے درس حدیث پر حکومت کی طرف سے پابندی لگادی گئی ہے۔ اب بتایئے، ایک شخص پیدل چل کر ہزاروں کلومیٹر راستہ طے کرکے آئے اور وہاں پہنچ کر یہ سنے تو اس پر کیا گزرے گی؟ قبی بن مخلد کہتے ہیں جب میں بغداد میں داخل ہوا تو (طویل واقعہ ہے) کسی طرح معلوم کرلیا کہ امام احمد بن حنبل کا گھر کہاں ہے! دروازے پر پہنچا، دستک دی، امام صاحب باہر تشریف لائے اور مدعا پوچھا۔ قبی بن مخلد نے بتایا کہ میں بہت دور سے تحصیل علم کے لئے آیا ہوں۔

امام صاحب نے فرمایا کہ آپ کو تو معلوم ہوگا کہ مجھ پر پابندی ہے، میں تو درس نہیں دے سکتا۔

قبی بن مخلد کہنے لگے میں تو بہت دور سے آیا ہوں۔

امام صاحب پوچھنے لگے کہاں سے آئے ہو؟ مغرب اقصیٰ سے؟

نہیں اس سے بھی پیچھے۔

بڑی حیرت ہوئی انہیں اور کہا اچھا!

فقیر کے بھیس میں علم حدیث کا حصول

اس پر قبی بن مخلد رحمۃ اللہ نے تجویز دی کہ میں اس طرح کروں گا کہ فقیروں کا بھیس بدل کر یہاں آکر صدا لگایا کروں گا، آواز دیا کروں گا۔ اس وقت اگر باہر گلی میں دیکھنے والا نہ ہو تو آپ آیئے گا اور صرف ایک حدیث بیان کردیجئے گا۔ آپ سے سن کر چلا جایا کروں گا۔ چنانچہ بھیس بدل کر مانگنے والوں کے روپ میں روزانہ جاتے اور آواز لگاتے۔ **ایھا الناس..... ایھا الناس، اجرکم علی اللہ**..... اس وقت یہ طریقہ تھا مانگنے والوں کا، امام صاحب آواز سنتے اور دروازے پر آتے۔ یہ قریب جاکر اپنا کشکول سامنے کردیتے۔ امام احمد اتنی دیر میں ایک سکہ بھی ڈال دیتے اور حدیث بیان کرتے۔ اس کے بعد قبی بن مخلد وہاں سے چل پڑتے۔

فقیر شاگرد کے لئے اعزاز

کافی وقت اس طرح گزر گیا، روزانہ ایک حدیث اس طرح سنتے، یہاں تک کہ خلیفہ وقت دوسرا آگیا۔ حکومت بدل گئی، پابندی اٹھالی گئی۔ امام احمد بن حنبل کا درس حدیث پہلے سے بھی زیادہ زور وشور سے شروع ہوگیا۔ یہ کہتے ہیں کہ میں جب پہلے دن درس حدیث کی سماعت کے لئے گیا تو بہت مجمع تھا، مجھے ذرا تاخیر ہوگئی تھی۔ آپ کا حلقہ شروع ہوچکا تھا۔ مجھے جگہ نہیں ملی، امام احمد بن حنبل نے دور سے مجھے دیکھا تو پہچان لیا! کہنے لگے بھئی! راستہ دو، یہ ہے اصل طالب علم..... اس کے بعد امام صاحب قبی بن خلد کو پہلی صف میں بٹھاتے تھے۔

قبی بن مخلد کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بیمار ہوگیا، اس دن میں نہیں گیا۔ امام احمد نے مجھے نہیں دیکھا تو میرے متعلق پوچھا، معلوم ہوا کہ میں بیمار ہوں۔ تو مسافر خانے میں، جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا، تشریف لائے۔ ساتھ طلبہ کا بھی ایک جم غفیر تھا۔ کہتے ہیں کہ مسافر خانے میں ایک شور وغل

ہوا تھا، معلوم ہوا کہ امام احمد تشریف لائے ہیں۔ بیمار پرسی کی، اس وقت ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ طلبہ اپنے پاس قلم، دوات، کاغذ ساتھ ساتھ لے کر چلتے تھے۔ امام احمد کے منہ سے جو بات بھی نکلتی اسے تحریر میں لے آتے۔

بقی بن مخلد کہتے ہیں کہ امام صاحب واپس گئے تو مسافر خانے والوں نے میرا خصوصی اکرام شروع کر دیا۔ ایک آرہا ہے، وہ بستر لا رہا ہے، کوئی کھانے کی چیزیں لا رہا ہے کہ ان سے امام وقت ملنے آئے۔

واقعہ سنانے کا مقصد یہی تھا کہ ان حضرات کی جو محنتیں ہیں، اللہ پاک نے کس طرح افراد کو پیدا کر دیا، آج جو کام بڑی بڑی اکیڈمیاں کرتی ہیں بڑے بڑے ادارے، جن کے لئے کروڑوں روپے فنڈ مختص کیا جاتا ہے، اس کام کو اللہ پاک ایک سے لیتے تھے اور آج بھی لیتے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ کی سنت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کا کام اس طرح لیتے ہیں۔ اب دیکھیں کہ اسلامی تاریخ میں سب سے بڑی مسند جو لکھی گئی وہ بقی بن خلد کی ہی ہے۔ صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی پانچ ہزار روایات اس مسند میں ہیں۔ مکمل مسند نایاب ہے، کچھ جلدوں میں یہ مسند شائع ہوئی ہے، باقی جلدیں نایاب ہیں، یعنی اسلامی تاریخ کی حدیث کی سب سے ضخیم ترین کتاب لکھنے والے بقی بن مخلد ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس دین کی حفاظت آئندہ بھی کرتے رہیں گے

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کر رہے ہیں، اپنے دین کی حفاظت کی ہے۔ اللہ پاک آئندہ بھی اپنے دین کی حفاظت کریں گے۔ اس میں کسی زمانے کی قید نہیں۔ یہ حفاظت ہر زمانے میں ہوگی۔ اس فتنے والے دور میں جب انسان حالات کو دیکھتا ہے تو مایوسی ہوتی ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ انسان دیکھتا ہے، پھر اس حفاظت کے مختلف مظاہر انسان دیکھتا ہے تو امید ہوتی ہے..... اور اتنا تو یقین ہے کہ اللہ کا یہ دین محفوظ رہے گا۔ اس میں دنیا کی کوئی طاقت ہلکی سی دراڑ بھی نہیں ڈال سکتی۔ یہ تو ہمیں اطمینان ہے۔ الحمدللہ!..... مشاہدے سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اور زمینی حقائق بھی پکار پکار کر کہتے ہیں کہ اس دین کو کوئی بھی غیر محفوظ نہیں بنا سکتا اور اس دین کو کوئی بھی تبدیل نہیں کر سکتا۔ یہ خصوصی حفاظت ہے۔ اس لئے یہ فکر تو نہیں ہے..... فکر اگر ہے تو اپنی ہے، فکر جو کرنی ہے وہ اپنی کرنی ہے کہ ہم اس دین کے ساتھ وابستہ رہیں کیونکہ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ ہمارا کیا ہوگا؟ اللہ نے اپنے دین کا ذمہ لیا ہے، لیکن کہیں یہ وعدہ نہیں ہے کہ ہم بھی فتنوں سے محفوظ رہیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط سے مضبوط بنایا جائے۔

اس دین کا حقیقی مزاج

حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کی کتاب ہے ''تاریخ دعوت وعزیمت''..... یہ نام ہی پورے دین کا مزاج بتا رہا ہے۔ آپ اس نام میں غور کریں تو اس دین کا مزاج نام میں ہی بتا دیا۔ اس کتاب میں تاریخ اسلام کی ان نمایاں شخصیات کا تذکرہ کیا ہے، جن سے اللہ تعالیٰ نے اس دین کی تجدید کا کام لیا، عمر بن عبدالعزیز ہیں، حسن بصری ہیں، امام غزالی ہیں، ابن تیمیہ ہیں، ابن قیم ہیں، پھر شاہ ولی اللہ آگئے۔ حضرت مجدد الف ثانی آگئے، پھر سید احمد شہید.....۔

دعوت دین اپنے وسیع مفہوم میں

ایک تو اس دین کا مزاج دعوت کا، دعوت بھی اپنے وسیع مفہوم میں، محدود مفہوم میں نہیں، دعوت کا وہ مفہوم مراد ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے ہر گوشے پر محیط ہے۔ دعوت کا وہ مفہوم جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے صرف ایک شعبے سے متعلق ہو، وہ بہت ہی زیادہ محدود کر دینا ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو گھر میں بھی داعی تھے، آپ بازار میں بھی داعی تھے، مسجد میں بھی داعی تھے، میدان جنگ میں بھی داعی تھے، دعوت سے محض ایک خاص مفہوم نہیں لیا جاتا۔ اس دین کا مزاج

دعوت کا ہے۔ اگلے لفظ پر غور کیجئے۔ ''عزیمت'' یعنی اس دین کی دعوت کے لئے عزیمت کی راہ اختیار کرنی پڑے گی۔ اللہ پاک اپنے دین کی حفاظت کا کام اس شخص سے لیتے ہیں، جو عزیمت کا راہی ہو اور جو لوگ رخصتیں اور گنجائشیں تلاش کرتے ہیں، اللہ پاک ان سے دین کی حفاظت کا کام نہیں لیتے۔

علماء کیلئے رخصتوں کا راستہ نہیں، عزیمت کا راستہ متعین ہے

آج کل ہم علماء کا یہ مزاج بنتا جارہا ہے، عوام کے لئے تو ٹھیک ہے کہ ان کے لئے اضطراری حالت میں مشکل سے آسانی تلاش کردی جائے، ان کو سہولت کی کوئی شکل بتادی جائے، لیکن علماء!..... جو منتقدا ہیں، ان کے لئے تو عزیمت کی راہ ہے، اگر اللہ کو دین کا کام لینا ہے تو انہی علماء سے لینا ہے جو عزیمت کی راہ پر چلتے ہوں۔ رخصتیں تلاش کرنے والے، سہولتیں تلاش کرنے والے..... اللہ کی یہ سنت نہیں ہے۔ آپ پوری تاریخ کا مطالعہ کرلیں، اللہ پاک عزیمت پر چلنے والوں سے کام لیتے ہیں۔ حدیث شریف ہے: ''..... **یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ**۔''

اللہ پاک نے اپنی دین کو محفوظ رکھنے کے لئے جو نظم بنایا ہے اس حدیث میں بیان کردیا گیا ہے کہ اللہ پاک اپنے دین کی حفاظت کا کام کس طرح لیں گے؟ اس دین کو ہر آنے والے پچھلوں سے لیتے رہیں گے۔ بعد میں جو آنے والے ہیں ان کی خاص صفت ''عدول'' بیان کی گئی ہے۔..... **یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ** یہ صفت ہوگی کہ وہ عادل ہوں گے۔ اب ایک مفہوم عدل کا وہ ہے جو اصول حدیث میں بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی عادل معنی سچا، اسی سے بعض حضرات کو دھوکا بھی ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کے بارے میں کلیہ ہے: ''**الصحابۃ کلھم عدول**''..... اس عدول کا بھی بعض لوگوں نے وہی مفہوم لے لیا ہے، جو اصول حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی صحابہ سب سچے تھے، یعنی ان کی روایتیں بے دھڑک لے لی جائیں گی۔ اس سچائی کے علاوہ نعوذ باللہ ان سے دوسری معصیتیں ہوسکتی تھیں۔ وہ فاسق و فاجر بھی ہوسکتے تھے۔ جیسے ایک صاحب کا یہ مخصوص موضوع رہا ہے۔

حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ نے اپنی جو تفسیر لکھی ہے اس میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔ انہوں نے لکھا کہ صحابہ کو عدول کہا جاتا ہے تو اس کا صرف یہ مفہوم نہیں کہ وہ سچے تھے، باقی ان کی زندگی کے دوسرے پہلو اور شعبے تھے، اس میں ان سے معاصی کا صدور ایسے ہی ہوتا تھا جیسے ایک عام آدمی سے، انہوں نے لکھا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ یہ عدول وہ ہے جسے قرآن کریم نے دوسرے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

(أُولٰئك الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ..... (والزمھم کلمۃ لتقوی وکانوا احق بھا و اھلھا)۔

ان کی طبیعت ایسی بن گئی تھی کہ معاصی کا ان سے صدور نہیں ہوتا تھا اور اگر کبھی ہو بھی جاتا تھا تو پھر توبہ میں تاخیر نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر صحابی جنتی ہے..... **(وکلا وعداللہ الحسنی)** ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہر صحابی جنتی ہے۔..... تو وہاں جو عدول آیا ہے وہ اصول حدیث والا عدول نہیں ہے کہ صرف سچ بولے۔

فرمایا کہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ''عدول''، ''تقویٰ'' کا مترادف ہے۔ فرمایا کہ یہ علم آنے والے لوگوں میں سے وہ لوگ اٹھائیں گے جن میں عدل کی صفت ہوگی، یعنی تقویٰ ہوگا۔ ''**ینفون عنہ تحریف الغالین، وانتحال المبطلین و تاویل الجاھلین**'' کہ دین کی حفاظت اس طرح ہوگی کہ غلو کرنے والوں کی تحریف کو دور کریں گے باطل لوگوں کے جھوٹے اور باطل دعوؤں کا رد کریں گے اور جاہل لوگوں کی جو تاویل ہے اس کو بھی دور کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم نصیب فرمائے اور ہم سے اپنے دین کی خدمت کا کام لے۔

○○○

علامہ محمد اقبالؒ

بچوں کی تعلیم و تربیت

علامہ محمد اقبال کا یہ مضمون پہلی بار رسالہ مخزن جنوری 1902ء میں اور دوسری بار اسی رسالے میں اکتوبر 1917ء کو شائع ہوا۔ ازاں بعد سید عبدالواحد معینی نے مقاماتِ اقبال (مئی 1963ء) میں شامل اشاعت کیا۔ (ادارہ)

تمام قومی عروج کی جڑ بچوں کی تعلیم ہے۔ اگر طریق تعلیم علمی اصولوں پر مبنی ہو تو تھوڑے ہی عرصے میں تمام تمدنی شکایات کافور ہو جائیں اور دُنیوی زندگی ایک ایسا دل فریب نظارہ معلوم ہو کہ اُس کے ظاہری حسن کو مطعون کرنے والے فلسفی بھی اُس کی خوبیوں کے ثنا خواں بن جائیں۔

انسان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ دنیا کے لئے اس کا وجود زینت کا باعث ہو اور جیسا کہ ایک یونانی شاعر کہتا ہے: اس کے ہر فعل میں ایک قسم کی روشنی ہو، جس کی کرنیں اوروں پر پڑ کے ان کو دیانت داری و صلح کاری کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سبق دیں۔ اس کی ہمدردی کا دائرہ (روز بروز) وسیع ہونا چاہئے، تاکہ اس کے قلب میں وہ وسعت پیدا ہو، جو روح کے آئینے سے تعصبات اور توہمات کے زنگ کو دُور کر کے اُسے مجلا و مصفا کر دیتی ہے۔

صدہا انسان ایسے ہیں، جو دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں، مگر اپنے اخلاقی تعلقات سے محض جاہل ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی بہائم (جانوروں) کی زندگی ہے، کیونکہ ان کا ہر فعل خودغرضی اور بے جا خودداری کے اصولوں پر مبنی ہوتا ہے۔ ان کے تاثرات کا دائرہ زیادہ سے زیادہ اپنے خاندان کے افراد تک محدود ہوتا ہے اور وہ اس مبارک تعلق سے غافل ہوتے ہیں جو بحیثیت انسان ہونے کے، ان کو باقی افراد بنی نوع سے ہے۔ حقیقی انسانیت یہ ہے کہ انسان کو اپنے فرائض سے پوری پوری آگاہی ہو اور وہ اپنے آپ کو اس عظیم الشان درخت کی ایک شاخ محسوس کرے، جس کی جڑ تو زمین میں ہے مگر اُس کی شاخیں آسمان کے دامن کو چھوتی ہیں۔ اس قسم کا کامل انسان بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر انسانی بچے کی تربیت میں یہ غرض ملحوظ رکھی جائے، کیونکہ یہ کمال، اخلاقی تعلیم و تربیت ہی کی وساطت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جو لوگ بچوں کی تعلیم و تربیت کے صحیح اور علمی اصول کو مدنظر نہیں رکھتے، وہ اپنی نادانی سے سوسائٹی کے حقوق پر ایک ظالمانہ دست درازی کرتے ہیں، جس کا نتیجہ تمام افراد سوسائٹی کے لئے انتہا درجے کا مضر ہوتا ہے۔

اس مضمون کی تحریر سے ہماری یہ غرض ہے کہ علمی اصولوں کی رُو سے بچپن کا مطالعہ کر کے یہ معلوم کریں کہ بچوں میں کون کون سے قوا کا ظہور پہلے ہوتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت کس طرح ہونی چاہئے۔ ہم ایک ایسا طریق پیش کرنا چاہتے ہیں جو محض خیالی ہی نہیں ہے، بلکہ ایک قابلِ عمل طریق ہے، جس سے بچوں کی تعلیم کے لئے ایسے آسان اور صریح اصول ہاتھ آ جاتے ہیں، جن کو معمولی سمجھ کا آدمی سمجھ سکتا ہے اور ان کے نتائج سے مستفید ہو سکتا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ناظرین ان سے فائدہ اٹھائیں گے اور اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم میں ان اصولوں کو ملحوظِ خاطر رکھیں گے کیونکہ۔

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

(اگر معمار، پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھتا ہے تو دیوار، آسمان کی وسعتوں تک ٹیڑھی ہی چلی جائے گی)

سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ کون سے اُمور ہیں جو عالم طفلی کے ساتھ مختص ہیں، تاکہ بچوں کی تعلیم وتربیت میں اُن کو ملحوظ رکھا جائے اور ان سے باحسن وجوہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے۔

۱-اس ضمن میں پہلی بات جو ہر مطالعہ کرنے والے کو صاف دکھائی دیتی ہے، یہ ہے کہ بچوں میں ایک قسم کی اضطراری حرکت کا میلان ہوتا ہے، جو نہ صرف انسان کے ساتھ ہی خاص ہے بلکہ ہر حیوان میں پائی جاتی ہے۔ دیکھئے بلی کا بچہ کیا مزے سے خود بخود کھیلتا ہے۔ چھوٹے کتے کی زنجیر کھول دو تو اضطراری حرکت کی خوشی میں پھولے نہیں سماتا۔

انیسویں صدی کے مشہور حکما اس اضطراری جوش کو بچے کی نشوونما کے لئے بڑا ضروری جزو خیال کرتے ہیں، کیونکہ اس حالت اضطرار میں اُس کے اعضا حرکت میں آنے کے لئے کسی بیرونی محرک کے محتاج نہیں ہوتے۔ بچوں میں اعصابی قوت کی ایک زائد مقدار ہوتی ہے، جو کسی نہ کسی راہ سے صرف ہو کر ان کی خوشی کا موجب ٹھہرتی ہے۔ اگرچہ بسا اوقات ان کے ماں باپ کو اس سے تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے۔ بعض دفعہ اعصابی قوت کی یہ زائد مقدار رونے چلانے میں صرف ہو جاتی ہے، بعض دفعہ بے تحاشا ہنسنے اور کھیلنے کودنے میں۔ پس، جو لوگ بچوں کے رونے سے تنگ آتے ہیں، اُن کو یاد رہے کہ یہ بھی ان کے جسمانی اور روحانی نمو (ترقی یا بڑھوتری) کے لئے ایک ضروری جزو ہے۔ اس کے علاوہ اس قوت کے صرف ہونے کی اور بھی راہیں ہیں۔ من جملہ ان کے ایک یہ ہے کہ بچے کے حواس خود بخود حرکت میں آتے ہیں، جس کی وجہ سے اسے خارجی اشیا کا رفتہ رفتہ علم ہوتا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بچہ ایک متعلم ہستی نہیں بلکہ سراپا ایک متحرک ہستی ہے، جس کی ہر طفلانہ حرکت سے کوئی نہ کوئی تعلیمی فائدہ اُٹھانا چاہئے، مثلاً اینٹوں کے گھر بنانا، لڑی میں منکے پرونا، گانا وغیرہ۔ وہ زائد اعصابی قوت جو رونے اور بے جا شور کرنے میں صرف ہوتی ہے، ایک باقاعدہ شور یا راگ میں آسانی سے منتقل ہو سکتی ہے اور وہ قوت جو ضرر رساں اشیاء کے چھونے اور بگر چیزوں کو اِدھر اُدھر پھینکنے میں صرف ہوتی ہے۔ اینٹوں کے گھر بنانے میں سہولت سے صرف ہو سکتی ہے۔

۲-بچپن کا ایک اور خاصہ یہ ہے کہ اس عمر میں کسی شے پر مسلسل توجہ نہیں ہو سکتی۔ جس طرح اُس کے جسمانی قوا کو ایک جگہ قرار نہیں ہو سکتا، اسی طرح اُس کے قوائے عقلیہ بھی ایک نکتے پر عرصے کے لئے قرار پذیر نہیں رہ سکتے۔ جس طرح ہاتھ نچلے (آرام سے) نہیں رہ سکتے، اسی طرح اُس کی توجہ میں بھی ایک طرح کی بے قراری ہے، جو اُسے ایک مقام پر جمنے نہیں دیتی۔ لہٰذا، ہر طریق تعلیم میں اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ سبق طویل نہ ہوں اور چھوٹے چھوٹے حصوں پر منقسم ہوں، تاکہ پڑھتے وقت بچوں کے مختلف قوا کو تحریک ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی لازم ہے کہ ہر سبق میں ایک خاص مشترک بات ہو، تاکہ ایک خاص مقام پر توجہ لگانے کی عادت بھی ترقی کرتی جائے۔

۳-بچوں کو ایشاء کے غور سے دیکھنے اور بالخصوص ان کے چھونے میں لطف آتا ہے۔ تین مہینے کی عمر کا بچہ ہو اور اُس کی توجہ روشنی کی طرف منتقل ہو جائے تو ہاتھ پھیلاتا ہے اور شمع کے شعلے کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ نظر کے فعل سے اُس کی تسلی نہیں ہوتی۔ حِس لامسہ (چھونے کی حِس) سے بھی مدد طلب کرتا ہے، کیونکہ اُسے قدرتاً اشیا خارجی کے چھونے میں مزا آتا ہے۔ یہ بات تو ہر شخص کے تجربے میں آئی ہوگی کہ جب بچے کی نظر دیوار کی کسی تصویر پر جا پڑے تو بے اختیار چلانے لگتا ہے اور چاہتا ہے کہ تصویر اُتار کر اُس کے ہاتھ میں دے دی جائے۔ چلانے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے میاں اب چپ ہونے میں نہیں آئیں گے، مگر جب مطلوبہ شے سامنے رکھ دی جائے تو چپ ہو جانا، تو ایک طرف بعض اوقات آپ کی ہنسی بھی نکل جاتی ہے۔ پس، جس شے کے متعلق سبق

دو، اس کو بچے کے سامنے رکھو اور جب سبق ختم ہو جائے تو شے مذکور اُس کے ہاتھ میں دے دو، مشاہدے سے حس بصر (دیکھنے کی صلاحیت) کی تربیت ہوتی ہے۔ چھونے سے قوتِ لمس معتد بہ فروغ پاتی ہے۔ گفتگو اور راگ وغیرہ سے قوتِ سامعہ (سننے کی صلاحیت) ترقی کرتی ہے۔ اس طرح لمس اور بصر کے متحدہ استعمال سے بچے کو صورتِ شے کا ادراک ہوتا جائے گا۔

۴- بچے کی توجہ صورتِ شے سے زیادہ رنگ شے کی طرف لگتی ہے۔ جن اشیاء کا رنگ شوخ ہو، اُس کا دھیان زیادہ تر انہیں کی طرف رہتا ہے۔ کسی اعلیٰ درجے کے مصور کی بنائی ہوئی تصویریں اُس کے سامنے رکھ دو۔ اگر اُس کا رنگ شوخ اور چمکیلا نہیں تو اُسے اس کی پروا نہیں ہوگی۔ برخلاف اس کے اپنی چھوٹی سی کتاب کی رنگین تصویروں پر جان دیتا ہے۔ بول چال میں ملاحظہ کیجئے: لفظ سرخ، نیلا وغیرہ تو پہلے سیکھ جاتا ہے اور لفظ مربع، تکون وغیرہ کہیں بعد میں جا کر۔ اس سے یہ اصول قائم ہوا کہ بچے کے ابتدائی سبق رنگین اشیا کے متعلق ہونے چاہئیں۔

۵- بچے میں بڑوں کی مدد کرنے کا مادہ خصوصیت سے زیادہ ہوتا ہے۔ ماں ہنستی ہے تو خود بھی بے اختیار ہنس پڑتا ہے۔ باپ کوئی لفظ بولے تو اُس کی آواز کی نقل اتارے بغیر نہیں رہتا۔ ذرا بڑا ہو جاتا ہے اور کچھ باتیں بھی سیکھ جاتا ہے، تو اپنے ہم جولیوں کو کہتا ہے: ''آؤ بھئی، ہم مولوی بنتے ہیں، تم شاگرد بنو''۔ کبھی بازار کے دکانداروں کی طرح سودا سلف بیچتا ہے۔ کبھی پھر پھر کر اونچی آواز دیتا ہے کہ: ''چلے آؤ! انار سستے لگا دیے۔'' اس وقت میں بڑا ضروری ہے کہ استاد اپنی مثال بچے کے سامنے پیش کرے، تاکہ اُسے اُس کے ہر فعل کی نقل کرنے کی تحریک ہو۔

۶- قوت متخیلہ یا واہمہ بھی بچوں میں بڑی نمایاں ہوتی ہے۔ شام ہوئی اور لگا ستانے اپنی ماں کو: ''اماں جان! کوئی کہانی تو کہہ دو۔'' ماں چڑیا یا کوّے کی کہانی سناتی ہے تو خوشی کے مارے لوٹ جاتا ہے۔ ذرا بڑا ہوا، اور پڑھنا سیکھ گیا تو ناولوں اور افسانوں کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ استاد کو چاہئے کہ قوتِ واہمہ کی نمو (اَن دیکھی چیزوں کو تصور میں لانے کے اضافے) کی طرف بالخصوص خیال رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ قوت بے قاعدہ طور پر بڑھ جائے اور اس سے قوائے عقلیہ کی ترقی میں نقص پیدا ہو۔ بعض حکماء کی رائے ہے کہ اس قوت کی تربیت کی اتنی ضرورت نہیں، جس قدر کہ اُسے مناسب حدود کے اندر رکھنے کی ہے۔ بچے کی اس خصوصیت سے بے انتہا تعلیمی فائدہ ہو سکتا ہے۔ اکثر مکتبوں میں لڑکے کاغذ کی کشتیاں دن رات بنایا کرتے ہیں۔ قوتِ واہمہ کے لئے یہ اچھی مشق ہے۔

۷- بچوں میں ہمدردی کی علامات بھی ظاہر ہوتی ہیں، جن سے بچے کی اخلاقی تعلیم میں ایک نمایاں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ کسی کو ہنستا دیکھے تو خود بھی ہنستا ہے۔ ماں باپ غمگین نظر آئیں تو خود بھی ویسی ہی صورت بنا لیتا ہے۔ تجربے اور مشق سے یہ جبلی قوت بڑھتی جاتی ہے۔ ابتدا میں اوروں کے غم سے متاثر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ استاد کو چاہئے کہ اُسے ہمدردی کے متعلق عمدہ عمدہ کہانیاں سنائے اور یاد کرائے۔ جس حیوان کے متعلق اسے سبق دینا ہو، اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرے، تاکہ بچے کے لئے ایک عمدہ مثال تقلید کرنے کے لئے قائم ہو جائے۔

۸- الفاظ یاد رکھنے کے لئے بچے کا حافظہ حیرت ناک ہے۔ اپنی مادری زبان کی پیچیدگیاں کس آسانی سے سیکھ جاتا ہے اور یاد کر لیتا ہے۔ معلم کو لازم ہے کہ اپنے شاگردوں کو عمدہ عمدہ اشعار اور نظمیں یاد کرائے اور پڑھے ہوئے سبقوں کے مضامین کی طرف بار بار اشارہ کرے۔

۹- اس عمر میں قوتِ متمیزہ (تمیز اور فرق کرنے کی صلاحیت) کمزور ہوتی ہے۔ اشیاء کے باریک باریک فرق تو معلوم نہیں کر سکتا، ہاں بڑے ظاہر اور نمایاں اختلافات، مثلاً: اختلافاتِ صورِ اشیاء (مختلف چیزوں کی صورت میں فرق) معلوم کر لیتا ہے۔ لہٰذا، ابتدا میں ظاہری

اختلافات کی طرف اُسے توجہ دلانی چاہئے، مثلاً: دو چیزیں ایک گیند اور ایک پہلودار شے اس کے سامنے رکھ دو اور دونوں کے اختلافات مندرجہ ذیل طور سے بیان کرو:

○.....گیند: پہلودار شے۔

○.....ایک ہی سطح ہے: بہت سی سطحیں ہیں۔

○.....کوئی گوشہ نہیں ہے: بہت سے گوشے ہیں۔

○.....کوئی کنارا نہیں: بہت سے کنارے ہیں۔

ان نمایاں اور ظاہری اختلافات کا علم دے چکنے کے بعد، کسی اور شکل کی شے پیش کرو اور علاحدہ علاحدہ گیند اور پہلودار شے سے اس کا مقابلہ کرکے باریک باریک اختلافات واضح کرو۔

۱۰-قوائے عقلیہ، مثلاً تصدیق اور استدلال کا کمزور ہونا۔ بچے سے ایسی فہمید (سمجھ) کی توقع نہ رکھو، جو ابھی تجربے اور علم سے بڑھتی ہے۔ ان قوا کے مدارج ترقی کا لحاظ استاد کے لئے نہایت ضروری ہے۔ دو عام اشیاء اُس کے سامنے رکھو اور اُن کے بڑے بڑے اختلافات بیان کرو۔ اسی طرح مقابلہ کرتے کرتے تصدیق پیدا کرو۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تصدیق بغیر تصورات کے محال ہے، کیونکہ یہ اصل میں دو تصورات کے مقابلہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے، جو خود مختلف مدرکات کا مقابلہ کرنے سے پیدا ہوتے ہیں، مثلاً: بہت سے افرادِ نوعِ انسان کا مقابلہ کرنے سے ان میں بعض مشترک اوصاف معلوم ہوتے ہیں، جن کے اشتراک کی وجہ سے ہم ان سب افراد کو ایک مشترک اور (سب کے لئے مناسب) نام دے دیتے ہیں، جو ہر فرد پر صادق آتا ہو۔ پس، معلوم ہوا کہ بچے سے ایسے تصورات کے علم کی توقع نہیں رکھنی چاہئے، جس کے ضمنی مدرکات (ذیلی) کا علم ہی اُس کو نہیں ہے۔ ایک برس کے بچے کو کیا علم کہ ''حب وطن'' کس جانور کا نام ہے؟ ہمارے بعض معلم، بچے کے ہاتھوں میں ایسی ابتدائی کتابیں رکھ دیتے ہیں، جن کا پہلا باب، مثلاً: خدا کی صفات، سے شروع ہوتا ہے۔ مگر انہیں یہ معلوم نہیں کہ خدا ایک ایسا مجرد تصور ہے، جو قوائے عقلیہ کی حد کمال پر پہنچنے اور بہت سا علم حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور صفات شے کا اُس شے سے علاحدہ تصور کرنا ایک ایسا فعل ہے، جو بچے سے کسی صورت میں ممکن ہی نہیں ہے۔ لہٰذا، اس قسم کا علم دینا ممکن ہے کہ بعض وجوہ سے اچھا ہو، مگر علمی اصولوں کی رو سے بچے کے حافظے پر ایک بے جا اور غیر مفید بوجھ ڈالنے سے زیادہ نہیں ہے۔

۱۱-آخری خاصہ بچے کا یہ ہے کہ اخلاقی محرکات سے یا تو بچہ متاثر ہی نہیں ہوتا، یا اگر ہوتا ہے تو نہایت اقل (تھوڑے یا معمولی) درجے پر۔ کیونکہ اس قسم کی تحریکوں سے متاثر ہونا اور اس اثر کو عملی زندگی کے دائرے میں ظاہر کرنا، ایک ایسا امر ہے کہ جو اعلیٰ درجے کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے۔ معلموں کا فرض ہے کہ ابتدا سے ہی بچے میں اخلاقی تحریکوں سے متاثر ہونے کی قابلیت پیدا کرنے کی کوشش کریں، مثلاً: شروع سے ہی اُن کی ہمدردی کرنا سکھائیں اور نیز اس امر کی طرف پوری توجہ دیتے رہیں کہ بچہ اپنے سبق کے متعلق ضروری ترتیب کا لحاظ رکھے، کیونکہ امن اور صلح کاری کی عادت انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ نفس ناطقہ قوا کا ایک مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ اپنی ذات میں ایک واحد غیر منقسم شے ہے اور اس کی ہر ایک قوت کا نشو ونما ہر دوسری قوت کے نشو ونما پر منحصر ہے۔ جس طرح جسمانی اعضا تناسب کے اصولوں کے مطابق بڑھتے ہیں، اسی طرح نفس ناطقہ کی قوا کا نشو ونما بھی انہیں اصولوں کے تحت ہے۔ لہٰذا، طریق تعلیم کامل وہی ہوگا، جو نفس ناطقہ کے تمام قوا کے لئے یکساں ورزش کا سامان مہیا کرے۔ ادراک، تخیل، تاثر اور مشیت، غرض یہ کہ نفسِ ناطقہ کی ہر قوت تحریک میں آنی چاہئے، کیونکہ کامل طریق تعلیم کا منشا یہ ہے کہ نفس ناطقہ کی پوشیدہ قوتیں کمال پذیر ہوں، نہ یہ کہ بہت سی علمی باتیں دماغ میں جمع ہو جائیں۔

مندرجہ بالا سطور سے واضح ہوگیا ہوگا کہ ایک عمدہ اور مضبوط تعلیمی بنیاد رکھنے کے لئے بچے کے نشو ونما کا مطالعہ کہاں تک ضروری ہے۔

معلم حقیقت میں قوم کے محافظ ہیں، کیونکہ آئندہ نسلوں کو سنوارنا اور ان کو ملک کی خدمت کے قابل بنانا انہیں کی قدرت میں ہے۔ سب محنتوں سے اعلیٰ درجے کی محنت اور سب کارگزاریوں سے زیادہ بیش قیمت کارگزاری ملک کے معلموں کی کارگزاری ہے۔ اگرچہ بدقسمتی سے اس ملک میں اس مبارک پیشے کی وہ قدر نہیں جو قدر ہونی چاہئے۔ معلم کا فرض تمام فرضوں سے زیادہ مشکل اور اہم ہے، کیونکہ تمام قسم کی اخلاقی، تمدنی اور مذہبی نیکیوں کا کلید اسی کے ہاتھ میں ہے، اور تمام تر ملکی ترقی کا سرچشمہ اسی کی محنت ہے۔ پس تعلیم پیشہ اصحاب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیشے کے تقدس اور بزرگی کے لحاظ سے اپنے طریق تعلیم کو اعلیٰ درجے کے علمی اصولوں پر قائم کریں، جس کا نتیجہ یقیناً یہ ہوگا کہ اُن کے دم قدم کی بدولت علم کا ایک سچا عشق پیدا ہوجائے گا، جس کی گرمی میں وہ تمدنی اور سیاسی سرسبزی (سیاسی صحت مندی) مخفی ہے جس سے قومیں معراجِ کمال تک پہنچ سکتی ہیں۔

○○○

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف بیس روپے اور سالانہ خریداری -/200 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم ''ادارہ رضوان'' کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ''رضوان'' خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ''رضوان'' کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کرسکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں **Cantt. No. : 9415911511**

عابدہ فرحین

عورت کی حیثیت اور ادھورا معاشرہ

معاشرے کی تعمیر و ترقی میں عورت کا کردار کلیدی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ہر معاشرے میں نسل نو کی تعمیر اسی کے ہاتھوں ہوئی ہیں اور ہوسکتی ہے۔ 'ماں کی گود بچے کی پہلی تربیت گاہ' کے تصور نے عورت کی حیثیت اور کردار کو مزید مستند بنایا ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ کسی عورت کی معاشرے میں صرف بحیثیت ماں اہمیت نہیں ہوتی، بلکہ ہمارے معاشرے اور تہذیب میں خاندانوں اور نسلوں کے بننے اور بگڑنے میں ایک عورت بحیثیت بہن، بیٹی، ساس، بہو اور دیگر تمام رشتوں میں بہت اہم کردار کی حامل ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کردار کے ساتھ اس معاشرے نے کیا کیا؟ اور اس کردار کو تشنگی کو دور کرنے کا راستہ کیا ہے؟

عورت کا یہ استحقاق دنیا بھر میں متاثر رہا ہے اور آج بھی ہے۔ بیداری کی تمام تحریکوں کے باوجود بھی عورت زیر عتاب ہی چلی آئی ہے اور اس کے حالات تبدیل نہیں ہوسکے۔

دیہی علاقوں پر اگر نظر دوڑائیں تو پنجاب کے بعض دیہات میں 'ونی' کی رسم اب بھی جاری ہے۔ اس رسم میں کسی بھی جرم چوری، ڈاکا، اغوا، رہزنی، قتل اور پسند کی شادی سمیت ہر قسم کے تنازعات، دشمنی اور رنجشوں میں راضی نامہ کرتے ہوئے پنچایت یا جرگہ کے تحت ملزم فریق کی لڑکیوں کو مدعی فریق کے مردوں کے نکاح میں دے دیا جاتا ہے۔ ایسی خواتین مدعی فریق کی غلام بن کر رہتی ہیں، جب کہ ان میں سے کچھ کو پھر سے صلح بدل رشتہ، یعنی 'ونی' کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ بسا اوقات 'ونی' کی صورت میں ملنے والی خواتین کو قتل اور فروخت بھی کردیا جاتا ہے۔

وجوہ کا جائزہ: ان جاہلانہ رسم و رواج پر مبنی واقعات کی چند بڑی وجوہ ہیں، مثلاً یہ کہ: جہاں پورے کا پورا نظام ظلم اور ناانصافی پر مبنی ہو تو وہاں کسی کو انصاف کیونکر مل سکتا ہے؟ جہاں عورت ہی کیا سب کے سب ظلم کی چکی میں پس رہے ہوں، وڈیروں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا سکہ چلتا ہو، جہاں عمر رسیدہ لوگ پنشن کی تھوڑی سی رقم کے لئے لمبی لمبی قطاروں میں کھڑے رہنے پر مجبور ہوں، جہاں بچے تعلیم، صحت اور خوراک جیسی بنیادی ضروریات سے محروم ہوں، جہاں میرٹ پر ہوتے ہوئے آگے بڑھنے کے لئے راستہ نہ ملتا ہو، جہاں تعلیم و روزگار کے مواقع دولت، رشوت اور سفارش کی بنیاد پر حاصل کرنا آسان ہو، تو وہاں کسی ایک طبقے (عورت) کو انصاف کیسے مل سکتا ہے؟

تبدیلی کیوں نہیں آرہی؟

۱۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ملک میں جہاں ایک بڑی تعداد میں این جی اوز، افراد، اداروں اور تنظیموں نے عورت کی فلاح و بہبود کے لئے کام کیا ہو، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہاں بہتری نہ آئے۔ دراصل کام کرتے ہوئے جو غلطی کی جارہی ہے، وہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ریاضی یا فزکس کا کوئی سوال حل کرتے ہوئے شروع میں کلیہ غلط استعمال کرلیں تو لاکھ کوشش کے باوجود ہم سوال ٹھیک نہیں حل کرسکتے، جب تک کہ ہم درست کلیہ نہیں لگائیں گے اور

اس کے مطابق حل نہیں نکالیں گے۔ جو لوگ اس وقت میدانِ عمل میں اس جدوجہد میں کوشاں ہیں اور حقوق نسواں کے حوالے سے کچھ بھی کرنا چاہتے ہیں، ان سے دردمندانہ درخواست ہے کہ وہ رک کر اس بات پر ضرور غور کریں کہ جس معاشرے میں ہم کام کررہے ہیں، وہاں یہ 'کلیہ' چلنے والا نہیں ہے جو ان میں سے اکثر نے لگایا ہوا ہے۔

لہٰذا، انہیں رُک کر سوچنا چاہئے کہ منزل کو پانے کے لئے جو راستہ چنا گیا ہے، وہ منزل کو جاتا ہی نہیں۔ مسئلے کا حل عورت کو یہ باور کرانا نہیں کہ: ''تمہارے ساتھ مردوں کی جانب سے زیادتی ہورہی ہے، اس لئے تمہیں مرد کے خلاف ڈٹ جانا چاہئے۔'' نیز میڈیا کا دن رات یہ باور کرانا کہ: ''مردوں کے اس معاشرے میں عورت کو کس طرح مردوں کو مات دینی ہے اور اس کی بہتری کی راہ میں اگر کوئی حائل ہے تو وہ صرف مرد ہے۔'' یقین جانیں یہ مسئلے کا حل نہیں۔ صدیاں گزر جائیں گی مگر مسائل اس طرح نہیں حل ہوسکتے کہ مرد و عورت آپس میں ٹکراتے رہیں اور جو غالب آجائے وہ فاتح ہو۔

۲- جو لوگ عورت کے استحصال کے خلاف آواز بلند کررہے ہیں ان کی اکثریت، اسلام کے عورت کو عطا کردہ ضابطۂ کار کا حقیقی علم وادراک ہی نہیں رکھتی، یا پھر اسلام کے خلاف اس ڈس انفارمیشن سے متاثر ہے جو جان بوجھ کر پھیلائی جارہی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ معاشرے میں ہے وہ چودہ سو سال پرانی تعلیمات ہیں جن پر علماء نے کبھی اجتہاد نہیں کیا، وغیرہ وغیرہ۔

۳- جو اس کا علم اور ادراک رکھتے ہیں ان کی اکثریت نہ جانے کیوں اس موضوع کو اپنا موضوع نہیں بناتی؟ اور کام کو اپنی ترجیحات میں شامل نہیں کرتے؟ وہ دنیا کے سامنے یہ حقیقت نہیں لاپاتے کہ ہمارے پاس کتنی بڑی دولت غیر مترقبہ ہے جس کے بعد ہماری سوسائٹی کو اور بالخصوص طبقہ نسواں کو کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ اس معاملے میں رہی سہی کسر ان پیشہ ور مذہبی چہروں نے پوری کردی، جو اسلام کو صرف اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا جانتے ہیں، اور اپنی زبان اور عمل سے دنیا کے سامنے اسلام کا کچھ ایسا نقشہ پیش کرتے ہیں کہ اسلام تو شاید عورت کو قید کرکے رکھنا چاہتا ہے اور اسے دوسرے اور تیسرے درجے کا انسان قرار دیتا ہے۔

سدھار کا واحد راستہ

○ اسلام عورت کو جتنے اور جیسے حقوق دیتا ہے اور آج سے نہیں بلکہ چودہ سو سال پہلے دے چکا ہے، اس کی ایک جھلک بھی حقوق نسواں کے علم بردار ٹھیک سے دیکھ لیں تو حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس حوالے سے جو ہدایات اسلام دیتا ہے، اس کے برعکس دنیا کے سارے قانون داں، دانشور عورتوں کے محسن اور ہمدردان بھی مل کر کوئی قانون اور کوئی چارٹر بنانا چاہیں تو وہ اس سے بہتر نہیں ہوسکتا، جو آج سے چودہ سو سال پہلے اسلام اس کے بارے میں دے چکا ہے۔ اسلام نے پستیوں میں گری اور کچلی ہوئی عورت کو اٹھا کر عملاً ایک اعلیٰ مقام پر فائز کیا ہے۔

○ عورت کو بحیثیت بیٹی رحمت کہا گیا۔ اس کی پرورش میں برابری کا حکم دیا۔ بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے یکساں ہدایت اور اس پر عمل کرنے پر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ بالکل یہی احکامات بہنوں کے حوالے سے بھی ہیں۔ بحیثیت ماں عورت کو باپ کے ایک درجے کے مقابلے میں تین درجے دیے گئے ہیں اور ماں کے پیروں تلے جنت رکھی گئی ہے۔

○ نکاح میں عورت کی رضامندی کو لازم قرار دیا گیا ہے اور خلع بھی عورت کی مرضی سے واقع ہوسکتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک لڑکی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میرے والد نے میری مرضی کے بغیر اپنے بھتیجے سے میری شادی کردی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں پورا اختیار ہے، چاہے اس نکاح کو باقی رکھو، چاہے ختم کردو۔ یہ سن کر لڑکی نے

کہا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ نے جو کچھ کیا ہے وہ مجھے خوش دلی کے ساتھ منظور ہے۔ میں تو صرف لڑکیوں کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ ان کے ماں باپ اس معاملے میں آزاد و خود مختار نہیں ہیں۔

○ بعض تہذیبوں میں عورت کے بارے میں تحقیر آمیز تصورات رائج ہیں، بالخصوص ہندو معاشرت میں۔ اسلام بیوہ کے لئے نہ صرف اجر اور جنت کی بشارت دیتا ہے بلکہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے کے لئے بیش بہا اجر ہے۔ وہ اس کے باپ بھائی اور قریبی رشتہ داروں کو قانوناً اس کی کفالت اور سرپرستی کا سختی سے پابند کرتا ہے، اور جس کا کوئی عزیز نہ ہو، اس کا ذمہ ریاست پر عائد کرتا ہے۔ بیوہ کا اس کی مرضی سے نہ صرف جلد نکاح کی ہدایت دیتا ہے بلکہ اس سے نکاح کو اجر و ثواب کا باعث کہا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی تمام شادیاں بیوہ عورتوں سے ہی کی تھیں۔ (ہمارے ہاں بیوگان کی شادی کے مسئلے کا ذمہ دار برہمنی کلچر ہے)

○ معاشی طور پر بھی اسلام عورت کو بہت مستحکم بناتا ہے اور وراثت میں اس کو حصہ اپنے والدین کی طرف سے بھی ملتا ہے اور شوہر کی طرف سے بھی اور اس ترکے کی وہ بلاشرکت غیرے مالک ہوتی ہے۔ جو کچھ اس کے پاس ہے یا وہ اپنی کوشش سے حاصل کرتی ہے، دولت، جائیداد، یا کوئی اور اثاثہ وہ سب کچھ بلاشرکت غیرے اس کی ملکیت ہوتا ہے۔ اس کا نان نفقہ، یعنی خوراک، لباس، علاج معالجہ، مکان اور اگر استطاعت ہو تو خادم کا انتظام کرکے دینا شوہر کی ذمہ داری اور عورت کا حق ٹھہرا۔ عورت خواہ کتنی ہی مالدار ہو تب بھی مرد پر اس کا یہ حق ساقط نہیں ہوتا۔ عورت کو ملکیت کا حق اس حد تک دیا گیا ہے کہ وہ شوہر کے مال سے بوقت ضرورت اس کی اجازت کے بغیر لے سکتی ہے، جب کہ بیوی کے مال پر شوہر اس قسم کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ اگر وہ اپنے پیسے سے کوئی کاروبار کرنا چاہے تو وہ بھی کرسکتا ہے۔ اگر مرد اپنا پیسہ اپنی بیوی اور اپنے گھر والوں پہ خرچ کرتا ہے تو اس پر بہت سے اجر کی بشارت کے باوجود یہ اس کا فرض ہے اور اگر ایسا عورت کرے تو اجر کی بشارت کے باوجود وہ احسان شمار ہوگا اور اگر نہ کرنا چاہے تو نہ کرے، جب کہ مرد کو یہ رعایت نہیں۔

○ شادی کے وقت مہر کی ادائیگی شوہر پر فرض کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی مرد نے کسی عورت سے تھوڑے یا زیادہ مہر پر نکاح کیا اور اس کے دل میں مہر ادا کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو اس نے اس عورت کو دھوکا دیا اور پھر وہ مہر ادا کئے بغیر مرگیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں حاضر ہوگا کہ وہ زنا کا مجرم ہوگا۔ (الترغیب والترہیب)

○ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ـ اپنے دور خلافت میں کسی حکمت عملی کے تحت مہر کی رقم کی حد مقرر کرنا چاہی تھی، لیکن ایک عورت نے جاکر سوال اٹھایا کہ جس چیز کی اجازت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دی ہے، آپ کیسے اس پابندی لگا سکتے ہیں؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے واپس لے لی۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد ہے: ''تم میں سے اچھا وہ ہے جو گھر والوں کے لئے سب سے اچھا ہو۔'' کو یہاں صرف تصور ہی کرے اُس معاشر۔ کا کہ جہاں نیک بیوی کو دنیا کی بہتر متاع اور مرد کی اچھائی کا سرٹیفکٹ اس اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہونا ہو، تو اس سے بہتر ماڈل نہ صرف اس سوسائٹی کے لئے بلکہ پوری دنیا کے لئے اور کیا ہو سکتا ہے۔

اسلام اتنی اَن گنت مراعات دے کر عورت کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی فرمانبردار اور فرانبردار ہو اور اس کے پیچھے اس کے گھر کی نگران ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''نیک بیویاں شوہر کی اطاعت کرنے والی ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق اور امانتوں کی حفاظت کرتی ہیں۔'' (النساء:۴:۴۳) اور صرف ایک بنیادی

ں کو سونپا ہے کہ وہ انسانیت سازی، یعنی
سانی تخلیق اور تعمیر اور نسل نو کی آبیاری کا
م کرے اور اپنی اس بنیادی ذمہ داری کو
ا کرتے ہوئے، نیز اسلام کی حدود کا خیال
کھتے ہوئے وہ ترقی کی ہر سیڑھی پر قدم رکھ
تی ہے۔ اسلام اس کو کسی طرح کے حصول
یم و تربیت (بلکہ حصول علم کو تو عین فرض
ہا ہے)، ملازمت، کاروبار، سفر، مہم جوئی،
ں کہ بناؤ سنگھار تک کے راستے میں
وٹ نہیں ڈالتا۔

عملی تدابیر: سوال یہ پیدا ہوتا ہے
کیا کیا جانا چاہئے:

اصولاً تو سب سے بڑی ذمہ
ی بھی انہیں کے کندھوں پر آتی ہے، جو
ام کا ٹھیک اور تفصیلی علم رکھتے ہیں۔ ان کو
یہ سوچنا ہوگا کہ آج کی عورت اور آج
معاشرے کو اس نعمت غیر مترقبہ سے کیسے
ناس کرایا جائے۔ یہ ہمارے معاشرے
تنی بڑی بدقسمتی ہے کہ ہمارے پاس اتنی
ی نعمت موجود ہے اور ہم للچائی ہوئی
وں سے دوسروں کی طرف دیکھ رہے
۔

کوئی بھی اصلاح جو ہم کرنا
تے ہیں وہ کسی ایک جز کو لے کر نہیں کی
تی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ
ی اصلاح کی بات ہو۔ کیونکہ تمام
ایک دوسرے پر اپنے اثرات رکھتے
۔ اس لئے صرف عورت کی تعلیم اور
اس کے استحکام کی بات کر کے ہم کچھ بھی
حاصل نہیں کر سکتے۔ دراصل مرد و عورت
دونوں کی تعلیم و تربیت اور معاشرتی شعور
کی بات ہونی چاہئے۔ معاشرے، گھر
اور خاندان کا یونٹ تو دراصل مرد و عورت
دونوں سے بنتا ہے۔ اگر مرد تعلیم یافتہ اور
باشعور نہیں ہوگا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ
عورت کے حقوق اور اس کو احترام دے
سکے۔ مردوں کی جہالت کے باعث ہی تو
عورت پہ ظلم ہوتا ہے۔

○ اکثر دیہات میں جہالت اور
غربت اور اس کے نتیجے میں جو اخلاقی
گراوٹ پیدا ہو رہی ہے، اس کا کوئی عام
سی تعلیم اور شعور رکھنے والا فرد تصور بھی
کر لے تو جھرجھری آنے لگتی ہے۔
ہمارے ہاں این جی اوز کی بڑی تعداد
تعلیم، طب، معاش، قانون اور استحکام
خاندان جیسے میدانوں میں کام کر رہی
ہے۔ کرپشن کی بیماری جس طرح ہمارے
خون میں سرایت کر گئی ہے، اس کے
زیر اثر بہت سی این جی اوز کا مطمح نظر بھی
فلاحی کاموں کے نام پر فنڈز بٹورنا ہوگا۔
لیکن انہیں میں سے کچھ ایسی این جی اوز،
تنظیمیں اور ادارے بھی ہیں جو حقیقی
معنوں میں خیر خواہی کے جذبے سے کام
کر رہے ہیں اور کرنا چاہتے ہیں۔

○ خاص طور سے وہ این جی اوز،
CEDAW، بیجنگ ایجنڈا اور UNO
چارٹر جیسے عنوانات کو لے کر میدان میں
اتری ہیں، اور عورت کی آزادی اور ترقی کی
بات کر رہی ہیں۔ ان کو یہ سمجھنا ہوگا کہ
یہاں اس انداز سے یہ کام نہ صرف ممکن
نہیں بلکہ نتیجہ خیز بھی نہیں ہے۔ خود ان کے
ذمہ داران کو اپنی آنکھوں سے تعصب کی
پٹی اُتار کر یہ بات جاننے کی کوشش کرنی
ہوگی کہ اسلام کا عورت کو دیا ہوا مقام اور
حقوق ان کے پاس موجود چارٹر سے بہتر
ہیں کہ نہیں؟ اگر وہ یہ جانے بغیر اپنے کام کا
تسلسل اسی طرح جاری رکھیں گے تو اس
طرح ان کو شاید چند رول ماڈل تو مل
جائیں، جن کو پیش کر کے وہ دنیا کے سامنے
اپنے کام کا غلغلہ دکھا سکیں اور ان چند
کرداروں کو میڈیا اور بین الاقوامی فورمز پر
پیش کر کے یہ ثابت کر سکیں کہ یہ بنت اسلام
ہے اور اس طرح وہ کوئی خاص ایجنڈا یا
خاص مقصد پورا کر سکیں، لیکن اس طرح
کوئی حقیقی تبدیلی اور نچلی سطح سے تبدیلی نہیں
آنے والی۔

○ وہ لوگ جو بلاتعصب اس
معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں ان کو
ایک میز پر بیٹھ کر حل سوچنا ہوگا اور یہ دیکھنا
ہوگا کہ مشترکہ جدوجہد کے ذریعے کیا کیا
جا سکتا ہے۔

○ یہاں علماء کا کردار سب سے
زیادہ اہم ہے۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ نہ
صرف زبانی طور پر عوام کے سامنے عورت

کے کردار کی اہمیت اور اس کے مقام وحقوق کو واضح کریں، بلکہ عورت اور اسلام کے حوالے سے جو غلط فہمی پائی جاتی ہے، اس کو دور کریں۔

○ دین کو دعوت کا کام کرنے اور دین کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کا داعیہ رکھنے والے افراد، گروہوں، تنظیموں اور اداروں کو چاہئے کہ عورت کے حوالے سے دیے گئے اسلام کے احکامات کا معاشرے میں ادراک کرائیں کجا یہ کہ معذرت خواہانہ رویہ رکھیں یا صرف ردعمل تک محدود رہیں، بلکہ اپنے کاموں کے عنوانات میں ایک بنیادی عنوان اس کو بنائیں۔

اصلاحی اور اسلامی تنظیمیں، ادارے اور گروہ سب سے پہلے خود کو بحیثیت رول ماڈل پیش کریں۔ دینی احکامات پر عمل کی کوشش کا داعیہ رکھنے والے اس بات کو اپنے گھروں، خاندانوں اور اپنے ممبران اور ملازمین کے لئے بھی اس معیار کو لازم کریں کہ ان کی نجی زندگیوں میں مہر، وراثت اور کفالت وغیرہ جیسے حقوق نہ تلف کئے جائیں۔ بالخصوص وہ اسلامی تنظیمیں اور ادارے جو اپنے ممبران کو حلال ذریعۂ معاش وغیرہ کا پابند کرتے ہیں تو وہ اس بات کا پابند بھی کر سکتے ہیں تاکہ دنیا کو رول ماڈل پیش کئے جاسکیں۔

○ دیکھا گیا ہے کہ اصلاحی اور سیاسی تنظیمیں، رفاحی اور خدمتی ادارے وغیرہ جو بھی اس معاشرے میں بہتری و بھلائی کا کوئی کام کرنے نکلتے ہیں تو وہ سر دھڑ کی بازی لگا ڈالتے ہیں۔ معیار کے بجائے مقدار کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں اور اپنے تئیں اس بڑھوتری کو ہی کامیابی کا معیار سمجھتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ حکومت کا نعم البدل نہیں ہوسکتے۔ اس لئے انہیں حکومت کی تبدیلی یا حکومت چلانے والوں کو قائل کرنے کا راستہ اختیار کرنا چاہئے اور تنظیمی سطح پر آپس میں تعاون کرنا چاہئے۔

○ کسی دینی اور دنیاوی تعلیمی اداروں میں مطالعہ صنفیات (جنڈر اسٹیڈیز) کی نوعیت کا کوئی نصاب شامل ہونا چاہئے، تاکہ کوئی ٹریننگ اور کوئی تعلیم ایسی دی جاسکے جو ایک مرد کو اچھا مرد اور ایک عورت کو اچھی عورت بنا سکے۔

○ ہمارے نظام تعلیم سے تربیت کے فقدان کو دو طرح ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے:

۱- ایک قلیل مدتی کورس میں طلبہ و طالبات کو موجودہ نصاب کے ساتھ مختصر دورانیے کے کورسز کروائے جائیں، جو تربیت کی اس ضرورت کو پورا کریں اور ان کورسز کو ڈگری کے حصول سے مشروط کیا جائے۔ اور فی الوقت جو ادارے کسی بھی طرح کا تعلیم کا کام کر رہے ہیں، مثلاً اسکول، کالج، یونیورسٹیاں اور مدارس وغیرہ کے لئے یہ کورس ان کے طلبہ وطالبات کے لئے لازمی کئے جائیں۔

۲- دوم: طویل مدتی کورس جس میں نظام تعلیم کا جائزہ لے کر اس میں تربیت، اخلاقیات اور اقدار کو شامل کیا جائے۔ معاشرے کے مؤثر افراد اور اداروں کو طے کرنا ہوگا کہ یہ کام آیا حکومت خود کرے گی، یا اس پہ دباؤ کے ذریعے کروایا جائے گا، یا سول سوسائٹی اور پبلک سیکٹر خود کریں گے، یا دونوں مل کے کریں گے۔

مسلم عورت کو بالخصوص یہ بات سمجھنی چاہئے کہ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے، اسی کے بنائے ہوئے قانون پر عمل کرنے میں دونوں جہاں کی کامیابی ہے۔ عورت کو اپنے حقوق، اپنے مقام، اپنی آزادی اور معاشی مضبوطی کے لئے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے اور اس کے لئے جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ دراصل اس جدوجہد کی ضرورت ہے کہ جو طاقت اور بلند مقام ایک عورت کو خالق کائنات نے اور کائنات کے سب سے بڑے بادشاہ نے عطا کر دیا ہے اس کو غصب کرنے کا حق دنیا کے چھوٹے چھوٹے خداؤں سے واپس لیا جائے۔

○○○

مولانا محمد غیاث الدین حسامی

اظہار غم اور اسلامی تعلیمات

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس دنیا کو اضداد سے مرکب بنایا ہے، یہاں دن کی روشنی ہے تو رات کی تاریکی بھی، صبح کی ٹھنڈی ہوائیں ہیں تو دھوپ کی تمازت بھی، پھولوں کی لطافت ہے تو کانٹوں کی چبھن بھی۔ موم کی نرمی ہے تو لوہے کی سختی بھی، علم کی روشنی ہے تو جہالت کی تاریکی بھی، نیکی وہدایت ہے تو بدی وضلالت بھی، غرض یہ کہ اللہ نے دنیا کی چیزوں کو مختلف اضداد کا مجموعہ بنایا ہے، انہیں میں سے خوشی اور غم بھی ہیں، خوشی اور غم انسانی زندگی کی دو حالتیں ہیں جو انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ نے زندگی کے توازن کو برقرار رکھنے کے لئے انسان کے اندر یہ دو حالتیں رکھی ہیں، انسان کا دل نعمتوں کے حصول پر خوشی و مسرت کی کیفیت سے اچھلتا اور کودتا ہے تو اسی کے چھن جانے پر اس کے دامنِ مسرت کے پھول مرجھا جاتے ہیں، خوشیاں زندگی میں بہار اور تازگی لاتی ہیں تو غم اس بہار کو خزاں میں تبدیل کر دیتا ہے، انہیں دو کیفیات میں زندگی گزارتے ہوئے انسان کبھی خوشی و مسرت سے ہمکنار ہوتا ہے تو کبھی رنج وغم سے اپنے آپ کو ملول پاتا ہے، کبھی خوشیوں کے اسباب کو مہیا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو کبھی تکلیف وغم کے حالات کو دور کرنے کی فکر کرتا ہے، یہ دو حالتیں انسان کی آخری سانس تک اس کے ساتھ وفادار ساتھی کی طرح رہتے ہوئے اپنا کردار نبھاتی ہیں۔

اسلام دین فطرت اور مکمل ضابطۂ حیات ہے، یہ دین انسانی فلاح و بہبود کا ضامن، دنیاوی زندگی میں امن وسکون اور اخروی زندگی میں راحت و آرام کا ذریعہ ہے، جس طرح اس نے زندگی کے ہر موڑ پر انسان کی رہبری کی، وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق احکامات دیے، اسی طرح رنج وراحت، خوشی اور غم کے وقت بھی رہنمائی کی ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے پیغام دیا ہے کہ خوشی اور غم کے وقت بندے کو چاہئے کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرے اور یہ بات ذہن میں رکھے کہ ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس طرح خوشی کے موقع پر اللہ کی محبت میں جذبات سے دل بھر آتا ہے، اسی طرح غم کے موقع پر یہ دھیان رہے کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش اور امتحان ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے فرمایا: ہم ضرور تم کو آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔ (البقرۃ:155) اس خداوندی فرمان سے یہ ثابت ہوا کہ تکلیف اور غم کے حالات انسان کو پیش آئیں گے، ایسے موقع پر صبر واستقامت کے دامن کو تھامے رکھنا اور زبان پر حرفِ شکایت نہ لانا اور غیر شرعی اعمال وحرکات سے بچتے ہوئے اسلامی حدود کی پاسداری کرنا ایک سچے اور حقیقی مومن کی علامت ہے، اس کے برخلاف غم کے اظہار کے لئے تھوڑی دیر خاموش رہنا، جھنڈے سرنگوں کرنا، سیاہ پٹیاں باندھنا، نوحہ کرنا، چلا چلا کر رونا، گریبان چاک کرنا، سینہ ٹھوکنا، گال نوچنا، اپنے کو زخمی کرنا، چوڑیاں توڑنا، ماتمی دھن بجانا وغیرہ ناجائز اور حرام ہیں، ان تمام باتوں سے اسلام سختی سے منع کرتا ہے، ہاں! اگر کسی کے غم میں غیر اختیاری یا فطری طور پر بے ساختہ آنسو نکل پڑیں تو صرف اس کی اجازت ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم کے وصال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی آنکھوں سے جاری ہوگئے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، جب ابن رسول ابراہیم کی روح پرواز کررہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم کو اٹھائے ہوئے تھے، آپ کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہہ رہے تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا: یارسول اللہ! آپ بھی روتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابن عوف! یہ رحمت ہے۔ پھر فرمایا: بے شک آنسو بہتے ہیں اور دل غمگین ہے، لیکن ہم وہی بات کہتے ہیں جس میں اللہ کی رضا ہو اور اے ابراہیم تیری! جدائی کی وجہ سے ہم غمگین ہیں۔ (بخاری، باب انا بک لمحزونون، حدیث نمبر 1303)

اسلام سے پہلے بھی لوگوں نے سوگ وماتم کے کچھ ایسے طریقے ایجاد کرلئے تھے، جو نہ صرف قدیم مذاہب کے لحاظ سے بلکہ انسانی فطرت کے اعتبار سے نامناسب اور ناپسندیدہ تھے، مثلاً: نوحہ اور گریہ وزاری کرنا، کپڑے پھاڑنا اور رونا پیٹنا وغیرہ، لیکن اسلام کے آنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام کاموں سے منع کیا اور سختی سے ارشاد فرمایا کہ جو ماتم کے لئے سر کے بال منڈائے، چلا کر روئے اور کپڑے پھاڑلے، میں اس سے بری ہوں۔ (بخاری، باب ما ینھی من الحلق، حدیث نمبر 1296) اس کے بجائے یہ حکم دیا گیا کہ مصائب اور پریشانی کے وقت صبر اور نماز کی طرف رجوع ہوجاؤ اور اسی کے ذریعہ اللہ کی مدد چاہو۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ نے فرمایا: ''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے (اللہ سے) مدد چاہو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (البقرۃ:153) صبر وشکر ایک مسلمان کے اندر خوشی کے جذبات پیدا کرتا ہے، اس کے علاوہ جہالت واخلاقی قدروں کی پامالی انسانی فطرت میں دکھ وغم کا باعث بنتی ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھ اور رنج، تکلیف وپریشانی میں اضافہ کرنے کے وہ تمام راستہ اور ذرائع مسدود کردیے جو انسانی زندگی کو بے حسن وجان بنادیتے ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں ارشاد فرمایا: جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان لائی ہو، اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ سوگ کرے، البتہ اپنے خاوند کی (موت پر) چار ماہ دس دن سوگ کرے۔ (بخاری، باب احداد المرأۃ علی غیر زوجہا، حدیث نمبر: 1280) اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کے علاوہ کسی کے لئے تین دن سے زیادہ سوگ کی اجازت نہیں دی، صرف بیوی کو چار ماہ دس دن (عدت گزارنے) کے لئے شوہر کی وفات پر غم منانے کی اجازت دی۔ (جدید فقہی مسائل، ج: 1، ص: 206) نیز حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب انتقال ہوا تو عورتیں رونے لگیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سختی سے روکنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے منع کیا اور فرمایا: اے عمر! انہیں چھوڑ دو۔ پھر فرمایا: اے عورتو! شیطانی آواز سے پرہیز کرنا۔ پھر فرمایا: جس غم کا اظہار آنکھ اور دل سے ہو، وہ اللہ کی طرف سے ہے اور رحمت ہے اور جو زبان سے ہو، وہ شیطان کی طرف سے ہے۔ (مسند احمد، باب مسند عبداللہ بن عباس، حدیث نمبر: 3103) اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ہم میں سے نہیں جو منھ پیٹے، گریبان پھاڑے اور ایام جاہلیت کی طرح چیخ وپکار کرے۔ (بخاری، باب لیس منا من شق الجیوب، حدیث نمبر: 1294) اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مرنے والے کے غم میں اپنے چہرے اور گالوں کو پیٹنا، کپڑے پھاڑنا، اللہ کے لئے نازیبا کلمات کہنا، بے صبری کا مظاہرہ کرنا۔ یہ سب ہمارا طریقہ نہیں ہے، یہ تمام کام حرام اور ناجائز ہیں، ان کا کرنے والا سخت مجرم۔ حضرت ابومالک اشعریؓ کہتے ہیں کہ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں زمانہ جاہلیت کی چار چیزیں

[illegible] نہیں چھوڑیں گے، حسب و نسب پر فخر کرنا، دوسرے شخص کو نسب کا طعنہ دینا، ستاروں کو بارش کا سبب جاننا اور نوحہ کرنا اور نوحہ کرنے والی اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو اسے قیامت کے دن گندھک اور جرب کی قمیص پہنائی جائے گی۔ (مسلم، باب التشدید فی النیاحۃ، حدیث نمبر:29) اسی طرح ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ نوحہ کرنا کفر کی خصلت ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں دو خصلتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے وہ کفر میں مبتلا ہیں، کسی کے نسب میں طعن کرنا اور میت پر نوحہ کرنا۔ (مسلم حدیث نمبر:67، کتاب الایمان)

اس حدیث میں نوحہ کو کفر قرار دیا گیا ہے، لیکن علماء اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حلال سمجھ کر میت پر نوحہ کرنا کفر ہے اور اگر اس کام کو برا سمجھ کر کیا جائے تو یہ بھی حرام ہے، اسی طرح نوحہ اور ماتم کی آوازوں کو ناپسندیدہ آواز کہا گیا، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آوازوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے، نعمت کے وقت گانا بجانا اور مصیبت کے وقت چلا کر آواز بلند کرنا، یعنی نوحہ اور ماتم وغیرہ کرنا۔ (مسند بزار، باب مسند ابی حمزۃ انس بن مالک، حدیث نمبر 7513)

نیز فقہائے کرام نے بھی اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں: مالکیہ اور احناف کے ہاں میت پر بلند آواز اور چیخ و پکار کے ساتھ رونا حرام ہے اور شافعیہ وحنابلہ نے اسے مباح قرار دیا ہے، ہاں! بغیر چیخ کے آنسو نکلنا بالاتفاق مباح ہے اور اسی طرح ندب یعنی میت کے محاسن و اجملاہ اور واسنداہ جیسے اقوال وغیرہ کے ذریعے بیان کرنا بھی ناجائز ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ج-1، ص:484) نیز فقہاء نے اس مقصد کے لئے سیاہ کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

"ولا یجوز صبغ الثیاب اسود او اکھب تاسفا علی المیت قال صدر الحسام: لا یجوز تسوید الثیاب فی منزل المیت۔ کذا فی القنیۃ۔"

میت پر ماتم کرتے ہوئے کپڑے کو سیاہ رنگ میں رنگنا جائز نہیں ہے، نہ یہ جائز ہے کہ میت کے گھر کے کپڑے سیاہ رنگ میں رنگ دیئے جائیں۔

(فتاویٰ ہندیہ-5/333)

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تعزیہ اور دور جدید کے مرثیہ وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں، تابوت کے ذریعہ تعزیہ کرنا، مرثیہ پڑھنا، مرثیہ بنانا، مرثیہ سننا اور فریاد و نوحہ کرنا، چھاتی پیٹنا اور گلا نوچنا یہ سب ناجائز ہیں۔

(فتاویٰ عزیزیہ، ص:195)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: مرثیہ و کتاب پڑھنا جس میں احوال واقعی نہ ہوں ناجائز ہے اور ایسا ہی نوحہ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے اور حدیث میں اس بارے میں وعید ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ، ص:188) چنانچہ حدیث شریف میں ہے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ لعنت فرمائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی پر اور اس عورت پر جو نوحہ سنے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص:151)

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ دور حاضر کے غیر شرعی اور رسمی طور پر اظہار غم کے طریقے مثلاً: تھوڑی دیر خاموش رہنا، سیاہ پٹیاں باندھنا، جھنڈے سرنگوں کر دینا وغیرہ اسلامی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی ہے، پھر یہ کہ اوپر کی تمام آیات و احادیث اور فقہائے کرام کی عبارتیں عام میت کے بارے میں تھیں، جب کہ شہداء کا مقام و مرتبہ اس سے مختلف ہے، شہداء کے لئے قرآن و حدیث میں بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں، شہداء اللہ کے مہمان ہوتے ہیں، ان کے ساتھ بہت ہی اکرام و اعزاز کا برتاؤ کیا جاتا ہے اور پوری جنت ان کے لئے کھول دی جاتی ہے، بڑے ہی آرام و

سکون سے وہ جنت کی سیر کرتے ہیں، قرآن مجید میں شہداء کے اونچے مقام اور اطمینانی کیفیت کو اس طرح بیان کیا گیا ''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ تو زندہ ہیں، لیکن تمہیں خبر نہیں۔''

(البقرۃ:154)

ایک اور مقام پر شہید کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا: جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس کھاتے پیتے ہیں، وہ خوش ہیں ان نعمتوں پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمائی ہے اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے، وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔

(آل عمران:159 تا 171)

اور احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کے فضائل ان الفاظ میں بیان کئے ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء جنت کے دروازے پر دریا کے کنارے ایک محل میں رہتے ہیں اور ان کے لئے صبح و شام جنت سے رزق لایا جاتا ہے۔ (مسند احمد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندے قیامت کے دن حساب کتاب کے لئے کھڑے ہوں گے تو کچھ لوگ اپنی تلواریں گردنوں پر اٹھائے ہوئے آئیں گے، ان سے خون بہہ رہا ہوگا، وہ جنت کے دروازوں پر چڑھ دوڑیں گے، پوچھا جائے گا یہ کون ہیں؟ جواب ملے گا یہ شہداء ہیں، جو زندہ تھے اور انہیں روزی ملتی تھی۔ (مجموعہ الزوائد) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے بھائی احد کے دن شہید ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں میں داخل فرمادیں، وہ جنت میں نہروں پر اترتے ہیں اور جنت کے میوے کھاتے ہیں اور وہ عرش کے سائے کے نیچے سونے کے قندیلوں پر بیٹھتے ہیں، جب انہوں نے بہترین کھانا پینا اور آرام گاہ پالی تو انہوں نے کہا کہ کون ہے جو ہمارے بھائیوں کو ہماری خبر دے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور کھا پی رہے ہیں؟ تاکہ وہ جہاد کو نہ چھوڑیں اور لڑائی میں بزدلی نہ دکھائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری خبر ان تک پہنچا دیتا ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمایا: (ولا یحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا)۔ (ابوداؤد)

مذکورہ تمام آیتوں اور احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں شہادت ایک اونچا رتبہ اور اعلیٰ مقام ہے اور شہادت کو وہ مقام حاصل ہے کہ (نبوت وصدیقیت کے بعد) کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی اس کی گرد کو نہیں پاسکتا، شہادت سے ایک ایسی پائیدار زندگی نصیب ہوتی ہے، جس کا نقش دوام جریدۂ عالم پر ثبت رہتا ہے، جسے صدیوں کا گرد و غبار بھی نہیں دُھندلا سکتا اور جس کے نتائج و ثمرات انسانی معاشرے میں رہتی دُنیا تک قائم و دائم رہتے ہیں، شہداء کے ان اونچے مقام اور اعلیٰ مراتب کے پیش نظر یہ بات کسی بھی طرح سے مناسب نہیں کہ ان کے ماتم کا اہتمام کیا جائے اور نوحہ کی مجلسیں سجائی جائیں، اگر کوئی مسلمان شریعت کے واضح احکامات کے باوجود بھی ان غیر شرعی امور سے اجتناب نہیں کرتا تو پھر ایسے لوگوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بالکل صادق آتا ہے کہ: "من تشبہ بقوم فھو منھم" یعنی جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے لہٰذا جو اغیار کی رسم اپناتا ہے، وہ اغیار ہی میں سے شمار کیا جائے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں حق بات سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

○○○

عیسائی مذہب کے اختلافات میرے قبول اسلام کا باعث بنے

"چھوٹی بڑی ہزاروں وجوہ ہیں جو میرے اسلام لانے کا باعث بنیں، ان میں سے نمایاں ترین اسلام کا یوم حساب کا نظریہ تھا جس نے میری روح کے تاروں کو چھیڑ دیا کہ ہر مرد اور عورت اپنے اعمال کے لئے ایک انتہائی عادل اور رحیم ذات کے سامنے جواب دہ ہے۔ دوسری یہ کہ تثلیث کی بھول بھلیاں مجھے کبھی بھی مطمئن نہ کرسکیں اور تیسری وجہ یہ کہ قرآن حکیم کا ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہونا کہ جس طرح یہ صدیوں پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مطہرہ سے انسانیت کو موصول ہوا آج بھی اسی خالص حالت میں موجود اور محفوظ ہے اور عربی زبان میں جو آج بھی اسی طرح زندہ اور مروج ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی، جب کہ بائبل تحریف شدہ ہے۔ میرے خیال میں موجودہ دور اسلام کی ترغیب دلانے اور اسلام کے لحاظ سے ولولہ انگیز ترین دور ہے۔" (نومسلم کے ایمان افروز تاثرات)

میں گریگ نوک (Greg Naaks) نورٹ ودتھ ٹیکساس کے ایک پروٹسٹنٹ (عیسائی) گھرانے میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا، ایک عیسائی بچے کی حیثیت سے چرچ میرے لئے اخلاقی اقدار و رہنمائی کا ایک اہم ذریعہ تھا اور ایک کسوٹی تھی جو صحیح کو غلط اور اچھائی کو برائی سے الگ کرکے دکھائی تھی۔ جس عیسائی فرقے سے میرا تعلق تھا وہ معقول حد تک آزاد خیال تھا۔ تاہم چرچ میری ذہنی یا سماجی سرگرمیوں کا لازمی جزو نہ تھا۔ شاید یہ اس لئے بھی میری دلچسپی کا مرکز نہ تھا کہ اس میں جو کچھ اتوار کو بتایا جاتا اس کا باقی ہفتے، یعنی عملی روزمرہ زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔

کالج جانے کا وقت آیا تو میں نے ورجینیا یونیورسٹی کا انتخاب کیا۔ یونیورسٹی کا شعبہ تعمیرات و ڈیزائن جس میں میرا داخلہ ہوا کئی طرح کے معاشرتی علوم اور بیرونی زبانوں کو کورسز بھی کرواتے تھے، تاریخ میرے لئے ہمیشہ سے پسندیدہ موضوع رہا ہے، اس لئے اس موضوع پر کورسوں کی فہرست کا جائزہ لیکر میں نے شرق اوسط کی تاریخ پر تعارفی کورس کرنے کی ٹھانی، کالج میں داخلے کے وقت عرب اور مسلم دنیا کے بارے میں میری معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ مزید برآں یونیورسٹی اور مذکورہ علاقے کے درمیان طویل فاصلہ حائل تھا، پھر بھی مجھے خیال آیا کہ یہ کورس میرے لئے مفید ثابت ہوگا، میں نے دورانِ تعلیم اسکول میں فرانسیسی زبان پڑھی تھی اور اب تبدیلی کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ میں نے عربی زبان کا کورس بھی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ یوں عربی زبان کی صورت میں ایک واضح تبدیلی میسر آگئی۔ اس طرح دن گزرنا شروع ہوگئے حتیٰ کہ شرق اوسط میں میری دلچسپی فن تعمیر سے بھی زیادہ ہوگئی اور ایک سال بعد یہ عالم ہوگیا کہ میں اپنے شعبے کو چھوڑ کر شعبہ تاریخ میں منتقل ہوگیا۔ جہاں پر اب میرے کورس اور تحقیق کا محور عرب دنیا بن گئی۔ بعدازاں میں گریجویٹ اسکول چلا گیا اور شرق اوسط کے علوم میں داخلہ لے لیا جس میں شمالی افریقہ کا وسیع علاقہ بھی شامل تھا۔ واشنگٹن پوسٹ میں میرے نیوز ایڈیٹر بننے کے بعد سے لے کر گریجویشن تک شرق اوسط کے حالات وواقعات کا مطالعہ جاری رہا۔

ان چند کورسوں اور ان کو پڑھانے والے پروفیسروں نے درحقیقت میری زندگی کا رخ ہی بدل ڈالا۔ اس پر مستزاد یہ

کہ اسلامی تعلیمات کے متعلق کلاسیں پڑھنے اور مختلف کتابوں کا مطالعہ کرنے کو کہا گیا، یوں پہلے جو کچھ محض کورس کا نصاب تھا، بتدریج میری ذات کے لئے ایک اور طرح سے اہمیت اختیار کرتا چلا گیا اور جوں جوں اسلام سے متعلق میرا مطالعہ وسیع ہوتا گیا، اسی تناسب سے اسلام میرے لئے دلچسپ اور دلکش ہوتا چلا گیا۔

کوئی تین سال کے مطالعے، جستجو اور غور وخوض کے بعد میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا، ایک دم سے نہیں بلکہ میں نے خود سے کہا کہ فیصلہ سے پہلے خوب سوچ لو کہ اسلام قبول کرنے سے مراد کیا ہے اور ساتھ ہی عقیدہ کے علاوہ اسلام کے عملی پہلوؤں پر بھی غور کرلو جس کے متعلق ابھی تک مجھے کافی علم نہیں تھا۔ مجھ پر یہ بھی واضح ہوگیا کہ کلمہ شہادت میری زندگی کا سب سے اہم ترین واقعہ ہوگا چنانچہ میں اپنی لگن اور اہلیت کا یقین کرلینا چاہتا تھا تاکہ واقعی اس عہد کو نبھا سکوں جسے ایمان لانے کی صورت میں کرنے والا تھا۔ بالآخر 1989ء کے موسم گرما میں میں نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ یہ سوال کہ میں مسلمان کیوں ہوا اکثر مسلمانوں اور غیر مسلموں سے گفتگو کے دوران مجھ سے کیا جاتا ہے۔ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اس سوال کے جواب میں اسلام کی خوبیوں کی ایک مشینی انداز میں فہرست گنوانا، اسلام کی خوبصورتی اور دلکشی گنانے کے مترادف ہے کیونکہ چھوٹی بڑی ہزاروں وجوہ ہیں جو میرے اسلام لانے کا باعث بنیں۔

تاہم تین نمایاں ترین باتیں یہ ہیں:

یہ اسلام کے یوم حساب کا نظریہ تھا جس نے میری روح کے تاروں کو چھیڑ دیا کہ ہر مرد اور عورت اپنے اعمال کے لئے ایک انتہائی عادل اور رحیم ذات کے سامنے جوابدہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا عدل جس میں رحمت کا پہلو بھی موجود ہو، اس کائنات کی سب سے قیمتی شے ہے، ہمیں غلط اور صحیح میں امتیاز کرکے اس کے مطابق عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار اور اہلیت دی گئی ہے۔ ہمارے تمام اعمال اور ارادے کسی نہ کسی مقصد کے حامل ہوتے ہیں، بے مقصد نہیں ہوتے۔ اسلام کے مطابق ان کے اچھے یا برے نتائج کا سامنا انسان کو کرنا پڑے گا۔

میں نے اسلام اور عیسائیت کی اخلاقی اقدار میں کافی حد تک مماثلت پائی اور اسلام نے مذہب سے متعلق کئی ایک سوالوں کے تسلی بخش جواب فراہم کردیئے جن کا جواب عیسائیت کے بس کی بات نہیں تھی، مثلاً توحید باری تعالیٰ نہ کہ تثلیث کی بھول بھلیاں جو کبھی بھی اطمینان بخش طریقے سے خود کو مجھ پر واضح نہ کرسکیں۔ جو محض الفاظ کا گورکھ دھندہ ہیں۔

ایک اور نہایت اہم بات یہ کہ ہر مسلمان بغیر کسی پادری وغیرہ کے درمیانی سہارے کے، اللہ تک رسائی رکھتا ہے اور آخری بات قرآن حکیم کا ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہونا کہ جس طرح یہ صدیوں پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مطہر سے انسانیت کو موصول ہوا، آج بھی اسی خالص حالت میں محفوظ ہے اور عربی زبان میں ہے جو کہ اسی طرح زندہ اور مروج ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وقتوں میں تھی۔

اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام آرامی زبان میں بولتے تھے لیکن بائبل یونانی زبان میں لکھی گئی اور پھر لاطینی زبان اور بعد میں انگریزی ''فرانسیسی'' اسپینی، جرمن اور دیگر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا مگر اس کی اپنی زبان محفوظ نہیں ہے جو کہ قرآن کے مقابلے میں پیش کی جاسکے۔ دو مختلف زبانیں جاننے والا شخص جس نے کبھی ایک سے دوسری زبان میں ترجمہ کیا ہو جانتا ہے کہ اس ترجمے کے دوران میں کچھ نہ کچھ ضرور ترجمہ ہونے سے رہ جاتا ہے۔ مزید برآں جملوں کے معنوں میں ترجمہ شدہ بائبل کے کسی اقتباس کا حوالہ دے کر قطعیت کے ساتھ کہا جائے کہ یہ عیسیٰ یا ابراہیم علیہما السلام کے الفاظ یا تعلیمات ہیں؟ اس کے برعکس مسلمان اپنے اللہ کے فرامین تک براہ راست رسائی رکھتے ہیں اور اس طرح اپنے خالق کی منشا کی خالص ترین شکل میں پیروی کرسکتے ہیں۔

بات صرف اتنی نہ تھی کہ مجھے مذہب

کی اہمیت کا احساس ہوگیا تھا اور اسلام مسلمانوں، جن سے متعلق پہلے کچھ علم نہ تھا معلومات حاصل ہوگئی تھیں۔ بلکہ اہم بات یہ تھی کہ انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے، جسے ایمان کہتے ہیں۔ اس سے میرا اولین تعارف اب ہوا تھا، میں نے مزید کرید کی اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کی لکھی ہوئی کتب زیر مطالعہ آئیں۔ الغرض میں نے اس تناظر میں جتنا ممکن تھا کوشش کی۔ اس سلسلے میں کیمپس میں موجود مسلمان طالب علم سے بھی جاجا کر ملا۔ مگر جس چیز نے واقعی میری توجہ کو گرفت میں لیا وہ چند لکھنے والوں کی تحریریں تھیں جن میں خاص طور پر چارسل لیگائے ایسٹز کی معرکۃ الآراء تحریر ''اسلام اور تقدیر انسانی'' فضل الرحمٰن کی ایمان سے متعلق تجزیاتی تحریر جو ''اسلام'' کے سادہ سے ٹائٹل میں طبع ہوئی غیر مسلموں میں سے مارشل ہوجس کی تین جلدوں پر مشتمل شامل ہیں۔ میں بعض اوقات آج بھی اپنے آپ کو کتابی مسلمان کہتا ہوں، کیونکہ میں نے جستجو کے ذریعے سے جانا کہ اسلام وہ دین ہے جس میں ایسی اخلاقی تعلیمات کا پرچار ہے جو ان تعلیمات کے قریب تر ہیں جو مجھے میرے والدین نے دیں، یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان، تکریم انسانیت، صداقت، حسن خلق، غمگساری اور خودداری وغیرہ لیکن جو چیز اسلام کو ایک آفاقی مذہب بنادیتی ہے وہ اس کا واضح اور بھرپور نظام حیات ہے، جس میں تمام اعلیٰ اقدار آپس میں گندھی ہوئی اور مربوط ہیں۔ بظاہر اسلامی تعلیمات سادہ اور آسان مگر درحقیقت نہایت پرمغز اور ارفع درجے کی ہیں۔ ''لا الہ الا اللہ'' یوں تو چند الفاظ ہیں جو زبان سے تین سیکنڈ میں ادا ہوجاتے ہیں مگر ایک انسان اس کی حقیقت کو پانے میں زندگی کھپا سکتا ہے۔

جب سے میں مسلمان ہوا ہوں، میرے علم میں وسعت آئی ہے۔ تو معلوم ہوا ہے کہ ایمان کس چیز کا نام ہے حالانکہ میں ابھی اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات کا محض اجمالی مطالعہ کرسکا ہوں۔ نیز میں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی مسلم امہ کے ہمہ جہتی پہلوؤں اور مسلمانوں کے مختلف نظریات وآراء سے بھی متاثر ہوا ہوں جو مختلف جغرافیائی، نسلی، اور لسانی پس منظر رکھنے کے باوجود ایک امت ہیں۔ یہ وسعت اور ہمہ گیری اس تصور کے برعکس ہے جو اسلام لانے سے پہلے میں رکھتا تھا اور اسلام کو محض چند رسموں تک ہی محدود خیال کرتا تھا۔ اب معاملہ قطعاً مختلف ہے اور میں اس قابل ہوں کہ اسلام کی ہمہ گیری کا ادراک کرسکوں، ایک ایسے دین کا جو تمام وقتوں کے تمام لوگوں کے لئے ہے اور میری طرح اسلام لانے والوں (جنہوں نے اسلام کا انتخاب ترجیحاً کیا ہے) کے خیال میں موجود دور اسلام کی ترغیب دلانے اور اسلام کے لحاظ سے ولولہ انگیز ترین ہے۔ ○○

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کو دفتر کی جانب سے بقایاجات کے خطوط روانہ کئے گئے ہیں، ان سے گذارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کردیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲/ بجے سے شام ۵/ بجے تک فون پر رابطہ کرسکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔

دفتر کھلنے کا وقت ۲/ بجے سے ۵/ بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے : Mobile : 9415911511

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

ایک اور ستارہ روپوش ہوا

راقم السطور عید الاضحیٰ کی تعطیل کے بعد ۶/اکتوبر ۲۰۱۵ء کو مدرسہ نور الاسلام کنڈہ حاضر ہوا، دوپہر کو عزیز گرامی قدر فرید حبیب ندوی سلمہ سے بذریعہ فون رابطہ کیا کہ ڈاکٹر غیاث صدیقی ندوی صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ موت وزیست کے درمیان حیات مستعار کے آخری دن گذار رہے ہیں، بس چل چلاؤ کا وقت ہے، اسی رات عزیز گرامی محمد سلمان دہلوی نے بتایا کہ ابھی ابھی عشاء کی نماز کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں ڈاکٹر غیاث صدیقی صاحب کے انتقال اور ان کے لئے دعاء مغفرت کا اعلان کیا گیا۔

اس حادثہ کا اتنا اثر ہوا کہ خاکسار اپنے اندر اتنی ہمت اور طاقت نہ پاسکا کہ فوری طور پر مدرسۃ العلوم الاسلامیہ کے مہتمم اور اپنے انتہائی عزیز اور مخلص دوست جناب ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی صاحب سے تعزیت کرسکوں۔

تجہیز و تکفین اور تدفین کی ساری تفصیلات اور پل پل کی خبریں عزیزی فرید حبیب ندوی کے ذریعہ معلوم کرتا رہا، ڈاکٹر غیاث صاحب سے خاکسار کا تعلق پانچ سال سے رہا، ویسے ان کی شخصیت اور ذات سے تعلق ۱۹۹۸ء سے رہا، جب میں علی گڑھ پہلی بار گیا تھا، اور استاذ محترم داعی اسلام مولانا سید عبداللہ حسنیؒ کے ساتھ ان کے گھر پر عشائیہ (رات کے کھانے) پر مدعو تھا، اس وقت ڈاکٹر صاحب کی حسن صورت اور حسن سیرت نیز ان کی خاکساری وتواضع اور دین کے لئے ان کے درد اور تڑپ کا احقر نے جو مشاہدہ کیا، اس کا گہرا اثر پڑا، ڈاکٹر صاحب نے اس دعوت کو دینی دعوت میں بدل دیا تھا، کھانے میں بہت سارے پروفیسران اور عمائدین شہر کو بھی ڈاکٹر صاحب نے مدعو کیا تھا، عشائیہ سے پہلے حضرت مولانا عبداللہ حسنیؒ نے "حالات حاضرہ اور خواص کی ذمہ داریاں" کے عنوان پر بہت ہی مفید گفتگو فرمائی، اور حاضرین کے سوالات کے تشفی بخش جوابات دیے۔

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت، کارنامے، اخلاق اور ان کے امتیازی اوصاف وخصوصیات پر مستقل ایک علاحدہ مضمون ندائے اعتدال کے انہی صفحات میں تحریر کررہا ہوں۔

اس آخری صفحہ کالم کے تحت میں ان کے فرزندوں، اہل وعیال اور متعلقین نیز ان کے محبوب جن کی عزت وہ ناز برداری کی حد تک کرتے تھے، میری مراد ڈاکٹر طارق ایوبی ہیں، ان کی تعزیت کے لئے ایک اقتباس اس پیغام کے ساتھ تحریر کررہا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب کی موت بلکہ ہر مومن کی موت ایک نئی زندگی کا آغاز اور ایک دوسری حیات کی ابتدا ہے:

"حکایتِ ہستی کے دو ہی اہم واقعات ہیں، پیدائش اور موت، موت وحیات کا یہ فلسفہ کائنات کے دیگر اسرار کی طرح اب تک صیغہ راز میں عقدۂ لاینحل ہے۔

فلسفی سرِّ حقیقت نہ توانست کشود
گشت راز دیگر آں راز کہ افشانی کرد

اور کچھ لوگ متحیرانہ انداز میں یوں گویا ہوتے ہیں۔

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

حالانکہ سچائی یہ ہے کہ انہی دونوں کے تصور پر عمرانیات اور معاشرہ کی بنیاد کھڑی ہے، موت کی حقیقت کچھ بھی ہو لیکن یہ زندوں اور مردوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردیتی ہے، اسی وجہ سے موت پر غم و افسوس، رنج وتکلیف ایک فطری جذبہ ہے، اور یہ جذبہ قدرت نے ہر انسان کو روز اول سے ودیعت کردیا ہے، البتہ اہل ایمان کا اظہار غم کا طریقہ دیگر مذاہب واقوام سے مختلف ہے کیوں کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو کائنات اور اس سے ماورا کے متعلق جو ہدایت دیتا ہے وہ خالص اسلامی اور فطری نظریہ اور تصور ہے، وہ یہ کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک نئی زندگی کا آغاز اور ایک دوسری حیات کی ابتداء ہے۔" (یادِ رفتگاں، سید سلیمان ندویؒ)

हमारी हिन्दी पुस्तकें

किताब का नाम	लेखक	मूल्य
मन्सबे पैगम्बरी	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	100.00
नबियों के किस्से १,२	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	120.00
नबी–ए–रहमत	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	250.00
दस्तूरे हयात (जीवन का पथ–प्रदर्शक)	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	70.00
सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	70.00
भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	80.00
मदीने की डगर	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	70.00
मानवता का संदेश	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	50.00
मानवता का स्तर	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	50.00
जग के मोहसिन	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
अच्छे–अच्छे नाम अल्लाह के	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	25.00
इस्लाम मुकम्मल दीन मुस्तकिल.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
निशाने राह	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
नारी की प्रतिष्ठा और उसके.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
हिन्दुस्तानी मुसलमानों से साफ.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
इस्लाम एक परिचय	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	40.00
नौजवानों के नाम	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
इस्लाम क्या है?	मौलाना मनजूर नोमानी	60.00
आदर्श शासक	मौलाना अब्दुस्सलाम किदवाई नदवी	35.00
तूफान से साहिल तक	मोहम्मद असद	50.00
समान सिविल कोड	मौलाना सैय्यद मोहम्मद राबे हसनी नदवी	10.00
मुहम्मद सल्लल्लाहु अलैहि वसल्लम	मौलाना सैय्यद मोहम्मद राबे हसनी नदवी	250.00
तोहफ–ए–रमज़ान	मौलाना सैय्यद मोहम्मद राबे हसनी नदवी	40.00
हमारे हुज़ूर	अमतुल्लाह तसनीम	20.00
इस्लाम और इस्लामी.....	मौलाना इलियास नदवी भटकली	35.00
सीरत सुलतान टीपू शहीद	मौलाना इलियास नदवी भटकली	220.00
	Total	1705.00
	Rate After Disc & Includign Postal Charges	900.00

मजलिस तहक़ीक़ात व नशरियाते इस्लाम

पो0 ब0 न0: 93– नदवा कैम्पस नदवतुलउलमा, लखनऊ

फोन न0 : 0522.2741539

मोबाइल न0 : 9889378176

इ–मेल : airpnadwa@gmail.com